آرزوئے جبرئیلؑ

تالیف

حجۃ الاسلام میرزا باقر الحسینی

ترجمہ

سید علی شیر نقوی

ادارہ منہاج الصالحین لاہور

مترجم کتاب ہذا انجینئر سید علی شیر نقوی 1946ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ 1966ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ایس۔سی کرنے کے بعد 1970ء میں الیکٹریکل انجینئرنگ میں بھی بی۔ایس۔سی کی ڈگری حاصل کی۔واپڈا میں تقریباً پانچ سال بطور انجینئر خدمات انجام دیں۔ بعدازاں ایران، عراق، کویت،سوئٹزرلینڈ اور سویڈن وغیرہ میں مختلف پراجیکٹس پر بحثیت انجینئر کام کیا۔ آجکل وطن عزیز میں ایک انجینئرنگ کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔

موصوف نے توحید ورسالت پر پختہ ایمان کے ساتھ ساتھ ولائے علیؑ ورثہ میں پائی ہے اور شب و روز وِلائے علیؑ کی کرنوں سے نہ صرف اپنی حیات بلکہ پوری کائنات کو درخشاں کرنے کے خواہاں ہیں۔یہی وہ جذبۂ محبت ِ انسانیت ہے جس کے تحت اب انہوں نے ''آرزوئے جبرئیلؑ'' کا خوبصورت ترجمہ کرکے اخلاق اور کردارسازی کی کتب میں بہترین اضافہ کیا ہے۔

مولانا ریاض حسین جعفری

(سربراہ ادارہ منہاج الصالحین، لاہور)۔

138 2 10031
786
747
Acc No. 10482 Date
Section .... Status
NAJAFI BOOK LIBRARY

آرزوئے جبرئیلؑ

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

مؤلف

میرزا باقر حسینی

ACC No. 10482 Date 22/12/0
Section اخلاقیات Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

مترجم

سید علی شیر نقوی

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، ملتان روڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ

نام کتاب	:	آرزوئے جبرئیلؑ
مؤلف	:	میرزا باقر حسینی
مترجم	:	سید علی شیر نقوی
ناشر	:	ادارہ منہاج الصالحین، لاہور
کمپوزنگ	:	سید قارب حسین زیدی
بار اوّل	:	جون 2003ء
تعداد	:	1000
ہدیہ	:	

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین، جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، ملتان روڈ، لاہور

فون: 5425372

اھدأ

میں اپنی اس حقیر کاوش کو بھی

اپنی پہلی کتاب ''آفتابِ ولایت''
کی طرح، علیؑ کی بیٹیؑ جنابِ سیدہ
زینب سلام اللہ علیہا کی خدمتِ
عالیہ میں پیش کرتا ہوں جنہوں
نے دین حق کی بقا کیلئے اپنے جگر
گوشوں کو بھی قربان کرنے سے
دریغ نہ کیا۔

احقر

سید علی شیر نقوی

یا علیؑ ہر منزلِ اعلیٰ سے بھی اعلیٰ تم ہو
اِدراک کی رِفعت سے بھی بالا تم ہو
تسبیح کہ جس میں پروئے ہیں محمدؐ بارہ
لاریب انہی موتیوں کی مالا تم ہو

(سید محبوب علی شاہ مرحوم)
والدِ گرامی مترجم سید علی شیر نقوی

فہرست مضامین

نمبر شمار	تفصیل	صفحہ نمبر
۞	عرضِ ناشر	17
۞	عرضِ مترجم	19
۞	آرزوئے جبرئیلؑ کے مترجم کی آرزوئے جلیل	21
۞	پیش لفظ	28
پہلی آرزو	**نمازِ باجماعت میں شرکت کرنا**	31
۞	فلسفۂ نماز	34
۞	ترکِ نماز۔ تکبر کی سب سے بڑی نشانی	36
۞	فضیلت واہمیتِ نماز	39
۞	اوّلِ وقت پر نماز پڑھنے کی فضیلت	41
۞	علیؑ، میدانِ جنگ اور اوّلِ وقت نماز	41
۞	امام حسینؑ، روزِ عاشور اور اوّلِ وقت نماز	42
۞	نمازِ تہجد کی فضیلت	44
۞	نماز کو خفیف سمجھنے کا انجام	48
۞	نمازِ واجب کو وقت گزرنے کے بعد پڑھنا	49
۞	نمازِ عصر کو تاخیر سے پڑھنے کا انجام	50
۞	نماز کو عمداً ترک کرنے کا انجام	51
۞	منکر نماز کافر ہے	53
۞	بے نماز شخص کیلئے شفاعت نہیں۔	53

۞	بے نمازی جہنم میں بدترین جگہ پر ہوں گے۔	54
۞	بے نمازی کیلئے پندرہ قسم کی سزائیں۔	54
۞	نمازِ باجماعت کی فضیلت۔	55
۞	نمازِ وحدت کی فضیلت۔	62
۞	اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب۔	63
۞	دس سال تک اذان کہنے کا ثواب۔	64
۞	نماز کے بعد دعائے رضیت باللہ۔	64
۞	نمازِ مغرب کے بعد نمازِ نافلہ کا ثواب۔	65
۞	تعقیباتِ نماز کے فوائد۔	66
۞	مسجد جانے کا ثواب۔	66
۞	ہمسایۂ مسجد کی گھر پر نماز قبول نہیں۔	66
۞	مسجد کی ہمسائیگی کی حدود۔	66
۞	مسجد الحرام اور مسجد النبی میں نماز پڑھنے کا ثواب۔	67
۞	مسجدِ قبا میں نماز پڑھنے کا ثواب۔	67
۞	مسجدِ خیف میں نماز پڑھنے کا ثواب۔	67
۞	مسجدِ کوفہ میں نماز پڑھنے کا ثواب۔	68
۞	مسجدِ سہلہ میں نماز پڑھنے کا ثواب۔	69
۞	مسجدِ براثا کی اہمیت اور اُس میں نماز پڑھنے کا ثواب۔	69
۞	مسجد کا احترام واجب ہے۔	70
۞	مسجد میں صفائی کرنے کی فضیلت۔	71

۞	مسجد میں روشنی کیلئے چراغ جلانے کا ثواب۔	71
دوسری آرزو	**علمائے حقہ کی صحبت**	73
۞	سید مہدی. بحرالعلوم کا ایک دلچسپ واقعہ	79
۞	اچھے علماء کی نشانیاں۔	80
۞	علمائے سُوء کی نشانیاں۔	84
۞	علمی مجالس میں بیٹھنے کی اہمیت۔	87
۞	تحصیلِ علم	89
۞	اُستاد کا انتخاب۔	93
۞	تعلیم و تربیت کے فوائد۔	95
۞	تحصیلِ علم کی اہمیت۔	101
۞	تحصیلِ علم کا ثواب۔	103
۞	اُستاد اور شاگرد کے حقوق۔	104
۞	اُستاد کا حق، طالب علم پر۔	105
۞	تلاشِ علم۔	107
۞	تحصیلِ علم کا ثواب۔	108
۞	لوگوں کو ہدایت کرنے کی اہمیت۔	108
۞	عظمتِ عالم۔	109
۞	کم از کم علم دوست رہئے۔	109
۞	ساتھی کی صفات۔	109
۞	لازمی تعلیم۔	110

شیطان اور ایک عالم کی موت۔	110
حضرت علی علیہ السلام کا فرمان۔	111
شفاعتِ علماء۔	111
قیامت میں عالم کے کام کی اہمیت۔	111
عالم اور عابد کا موازنہ۔	112
زکوٰۃِ علم۔	112
علماء، ہدایت کے چراغ ہیں۔	113
عالمِ بےعمل۔	113
صرف خوشنودئ خدا کیلئے احترام کرو۔	113
تحصیلِ علم کیلئے خوشامد۔	114
روایاتِ امامؑ کا افشا کرنا۔	115
خدائی وعدہ۔	115
اختیارِ حکمت اور نااہل افراد۔	115
مفید علم چھپانے کی سزا۔	116
شکرِ علم	116
علم بھی زہریلا ہوسکتا ہے۔	117
حکمت کی اہمیت۔	118
صحیح اعتقاد وایمان کو پہچانئے۔	118
جاہل، عالم کے روپ میں۔	119
نہ جاننا باعثِ شرمندگی نہیں۔	119

۞	دین میں قیاس باعثِ ہلاکت ہے۔	120
۞	تواضع کی علامات۔	120
۞	پیغمبرؐ کے جانشین۔	121
۞	درس کی حفاظت۔	122
۞	چالیس احادیث کو یاد کرو۔	122
۞	فرمانِ امام، فرمانِ رسولؐ ہے۔	122
۞	بےعمل عالم کا قول بھی بے ثمر۔	123
۞	ایک عالم کی موت۔	123
۞	فرشتوں کا نزول۔	124
۞	امام معصوم ہیں۔	125
۞	فرمانِ پیغمبرؐ عین قرآن ہے۔	126
۞	حدیث کے ستر (70) معنی۔	126
۞	علماء اور شہداء کا مقام۔	127
۞	پیغمبرؐ اسلام کی نظر میں نحس دن۔	128
۞	سب سے خطرناک افراد۔	128
تیسری آرزو	**لوگوں میں صلح کروادینا**	129
۞	اہمیتِ صلح	131
۞	اسلام میں اختلاف کی مذمت	131
۞	تفرقہ سے شیطان کی خوشی۔	132
۞	تفرقہ باعثِ خطرۂ ایمان۔	134

۞	اپنوں سے قطعِ تعلق کی اجازت نہیں۔	135
۞	صلح کی اہمیت، قرآن کی نظر میں۔	135
۞	صلح کی اہمیت، علی علیہ السلام کی نظر میں۔	136
۞	متفرقات۔	140
۞	قطعِ رحمی۔ بدترین عمل۔	142
۞	عزیزوں کی لڑائی کے مقابلہ میں نیکی۔	143
۞	صلۂ رحمی واجب ہے۔	144
۞	صلۂ رحمی اور قیامت میں حساب۔	145
۞	صلۂ رحم کیلئے پیغمبرؐ اسلام کی سفارش۔	145
۞	قاطعِ رحم اور پل صراط۔	146
۞	صلۂ رحمی کا اجر۔	147
۞	صلۂ رحمی کے دنیاوی فائدے۔	148
۞	صلۂ رحمی کی عظیم ترین مثال۔	150
۞	صلۂ رحمی تو کافر عزیزوں کیلئے بھی لازم ہے۔	152
۞	خاندان والوں کی مدد کرنا واجب ہے۔	152
۞	کم ترین صلۂ رحمی۔	153
۞	صلۂ رحمی کیلئے سفر کرنا۔	153
۞	صلۂ رحمی کرنے والے کا بہشت میں مقام۔	154
چوتھی آرزو	**یتیموں پر احسان کرنا**	155
۞	یتیموں پر مہربانی۔	157

۞	باپ کے عمل کا اثر بیٹے پر کیوں؟	164
۞	وحشت ناک قبر۔	166
۞	یتیم کا گریہ عرشِ الٰہی کو ہلا دیتا ہے۔	168
۞	حضرتِ علیؑ کی یتیم پروری۔	171
۞	یتیموں پر احسان موجبِ بخشش ہے۔	172
۞	متفرقات۔	174
۞	حضرت علیؑ کے نزدیک یتیم کون؟	176
پانچویں آرزو	**مریض کی عیادت کرنا**	179
۞	مریضوں کی عیادت کا ثواب۔	181
۞	عیادت کیسے کی جائے؟	181
۞	عیادت کرنے والے کے ساتھ فرشتے۔	182
۞	عیادتِ بندہ، عیادتِ خدا۔	182
۞	متفرقات۔	183
۞	درد اور مرض کا ثواب۔	184
۞	قیامت میں بیمار کے درجات۔	186
۞	مؤمن کبھی خودکشی سے نہیں مرتا۔	190
۞	بیماری کی تکلیف کا ثواب۔	190
۞	مؤمن کبھی کوردل نہیں مرتا۔	191
۞	بیماری اور بلا، خدا کی مہربانی۔	191

چھٹی آرزو	تشییع جنازہ میں شرکت کرنا	193
۞	امام محمد باقرؑ اور تشییعِ جنازہ۔	196
۞	امام علی ابن موسیٰ رضاؑ اور تشییعِ جنازہ۔	197
۞	متفرقات۔	198
۞	گناہوں سے توبہ۔	199
۞	توبۃ النصوح کیا ہے؟	199
۞	وصیت کرنا ضروری ہے۔	199
۞	جان کنی میں سختی۔	200
۞	فشارِ قبر۔	201
۞	بداخلاقی اور فشارِ قبر۔	201
۞	عالمِ برزخ میں وادیٔ السلام۔	202
۞	عالمِ برزخ میں برہوت۔	203
۞	بدکردار، بُری شکلوں میں۔	204
۞	نامۂ اعمال۔	206
۞	نیک ارادہ بھی نیکی ہے۔	206
۞	قیامت میں مفلس کون؟	208
۞	عذابِ الٰہی اور عدل۔	208
۞	عمر انسانی قلیل مگر عذابِ خدا دائم۔	209
ساتویں آرزو	حاجیوں کو پانی پلانا	211

❁	پانی پلانے کا ثواب۔	213
❁	روزِ عاشور پانی پلانے کا ثواب۔	215
❁	عالمِ برزخ میں سب سے مفید کام۔	215
❁	کافر کو بھی پانی پلانا ثواب ہے۔	216
❁	اہمیتِ کعبہ۔	217
❁	بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں۔	218
❁	حضرتِ ابراہیمؑ کی آواز کہاں کہاں پہنچی؟	218
❁	استقامتِ کعبہ، استقامتِ دین ہے۔	219
❁	فرائض حج کی اہمیت۔	219
❁	فضیلتِ حج۔	220
❁	حج میں دیر کرنا۔	221
❁	دوسروں کے حج میں رکاوٹ نہ بنئے۔	222
❁	آدابِ حج۔	223
❁	اخراجاتِ سفرِ حج، فضول خرچی نہیں۔	224
❁	دوسروں کو بھی حج کے ثواب میں شریک بنایئے۔	226
❁	حج کے دوران ہر عمل کا ثواب ملے گا۔	226
❁	حاجیوں سے ملاقات کا ثواب۔	228
❁	حج بجالانے کے فائدے۔	228
❁	بیس دفعہ حج کرنے کا ثواب۔	228
❁	ہر کسی کو یہ ثواب میسر نہیں۔	229

۞	حجاجِ کرام پر خدا کی خاص عنایات۔	229
۞	واجب حج کا بدل نہیں۔	230
۞	فلسفہ حج۔	231
۞	مکالمۂ امامِ سجادؑ اور شبلی۔	246
۞	شہر مکہ۔	256
۞	کعبہ اور بیت اللہ الحرام کے معنی۔	258
۞	بیت العتیق کے معنی۔	258
۞	خانۂ خدا، عین دنیا کے وسط میں۔	258
۞	حج کے معنی کیا ہیں؟	259
۞	حرم کی حدود۔	259
۞	تلبیہ کب شروع ہوئی اور اُس کے معنی۔	260
۞	شرافتِ مسجد الحرام۔	261
۞	طوافِ خانۂ خدا۔	262
۞	ایک طواف سب کیلئے۔	262
۞	مقامِ ابراہیمؑ۔	263
۞	حجر اسود۔	264
۞	رکن یمانی۔	264
۞	مستجار۔	266
۞	حطیم کیا ہے؟	266
۞	حجر اسماعیلؑ۔	267

۞	سنہری پرنالہ۔	267
۞	غلافِ کعبہ۔	268
۞	آبِ زمزم۔	268
۞	صفاومروہ کیا ہے؟	269
۞	صفاومروہ میں تیز تیز چلنے کا مقصد۔	270
۞	عرفات میں مومن عاقل کون ہے؟	271
۞	مشعرالحرام۔	272
۞	منیٰ۔	272
۞	جمرات۔	274
۞	ثوابِ رمیِ جمرہ۔	274
۞	رمیِ جمرات کیوں؟	274
۞	مکہ معظّمہ میں مزارات۔	275
۞	مساجدِ معروفِ مکہ۔	275
۞	مساجدِ منیٰ۔	276
۞	مکہ کے پہاڑ۔	277
۞	شہرمدینہ۔	279
۞	فضیلت وشرافتِ کربلا۔	279
۞	مدینہ کی خصوصیات۔	280
۞	مساجدِ مدینہ۔	281
۞	مسجدالنبی کے ستون۔	281

۞	منبر رسولِ خداؐ اور ستونِ حنانہ۔	283
۞	محرابِ مسجدِ پیغمبرؐ۔	283
۞	محلِ اصحابِ صُفا۔	284
۞	گنبدِ مطہر روضۂ نبیؐ۔	285
۞	مدینہ میں حجاجِ کرام کے فرائض۔	288
۞	حج مبرور ومقبول۔	289
۞	واقعہ علی بن یقطین۔	290
۞	بخیل کا حج قبول نہیں۔	296

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

اے بسا آرزو کہ خاک شد کے مصداق ہزاروں آرزوئیں حسرتیں بن جاتی ہیں اور محض چند متبرک اور مبارک آرزوئیں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہیں۔ آرزوئے جبرئیلؑ کی تکمیل خواہش خدا بھی ہے اور تمنائے اہلِ حق بھی۔ اس کی تکمیل میں معاونت سعادت بھی ہے اور عبادت بھی۔ آرزوئے جبرئیلؑ کو فارسی زبان میں کتاب کی صورت دینے والے آقای میرزا باقر حسینی ہیں جبکہ اس کا اردو ترجمہ سید علی شیر نقوی صاحب نے کیا ہے۔ درحقیقت یہ ایک حدیثِ رسولؐ کی تفسیر و تفصیل ہے جو سات عظیم اعمالِ صالحہ کی ترغیب اور ترویج کی حامل ہے۔

ادارہ منہاج الصالحین اپنی درجنوں کتب میں علی شیر نقوی صاحب کی ایک کتاب ''آفتابِ ولایت'' کے نام سے پہلے بھی شائع کر چکا ہے اور اب دوسری کتاب پیش خدمت ہے۔ نقوی صاحب نہایت مصروف اور محنتی شخصیت ہیں جو مختلف ممالک میں خدمات انجام دے چکے ہیں۔ حقیقت میں وہ ایک انجینئر ہیں لیکن اُن کی دین شناسی اور علمیت و عملیت اُنہیں اس کارِ خیر کی طرف مائل کیے ہوئے ہے۔ وہ میدانِ تحریر میں خم ٹھونک کر اُتر آئے ہیں اور اُن کے عزائم بتاتے ہیں کہ وہ مستقبل میں اس میدان میں اور بھی آگے بڑھیں گے۔ علومِ اہلِ بیتؑ کی خدمت کو انہوں نے اپنا مقصدِ حیات بنالیا ہے اور یہی خداشناسی کا بہترین

ذریعہ ہے۔آرزوئے جبرئیلؑ بھی اسی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔

موصوف اتحاد بین المسلمین کے داعی ہیں اور غیر متنازعہ موضوعات پر کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔وسعتِ ذہنی اُن کا اثاثہ ہے اور وسعتِ علمی اُن کی منزل۔ہم اُن کے علمی سفر میں دن دونی رات چوگنی ترقی کیلیئے دعا گو ہیں۔ابھی کئی آرزوؤں (کتابوں) کے ترجمے کرنے باقی ہیں۔مذہبِ حقہ کو پھیلانے اور گھر گھر تک پہنچانے کی عظیم ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ہم بحیثیت قوم ابھی تک اُن کا کاملاً احساس نہیں کر پائے۔ہمارا مذہب صرف مجالس تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور وہ بھی تبلیغی وفکری مجالس نہیں،نعرہ بازی اور بے عملی کی دعوتیں ہیں۔ہمیں تحریر وتقریر پر ہر دو میدانوں میں مثبت حکمتِ عملی کو اپنانا ہوگا۔فلسفۂ اسلام کو پیش نظر رکھنا ہوگا اور دنیاوی واُخروی نجات کیلیئے صحیح معنوں میں تفہیم دین کرنا ہوگی۔

سید علی شیر نقوی صاحب اس کام میں ہمارے ایک ساتھی ہیں۔اللہ رب العزت بطفیل امامِ زمانہؑ اُن کی توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے۔(آمین بحق رب العالمین)۔

مولانا ریاض حسین جعفری

سربراہ ادارہ منہاج الصالحین،لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مترجم

تمام حمد وثناء اُس خدا کیلئے جو اپنے بندوں کو بخشنے کیلئے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ جس کی رحمت اُس کے غضب پر چھائی ہوئی ہے۔ جو اپنے بندے سے حیران ہو کر پوچھتا ہے:

"یَآ یُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ"

"اے انسان! (اے میرے بندے) تجھے کس نے اپنے کریم رب سے دھوکے سے دور کر دیا ہے"۔ (انفطار:6)

پس عزیزانِ محترم! جب میں نے کتاب "آرزوئے جبرئیل" کو دیکھا کہ سردارِ ملائکہ بشر ہونے کی آرزو کر رہے ہیں کہ:

"اے کاش! میں بشر ہوتا اور وہ کام انجام دیتا
جن کا اجر وثواب بارگاہِ ایزدی میں سب سے زیادہ ہے"

تو خواہش پیدا ہوئی کہ اس عظیم کتاب کا ترجمہ کر کے اپنے اُن بہن بھائیوں کی خدمت میں پیش کروں جو فارسی زبان سے آشنائی نہیں رکھتے۔ سردارِ ملائکہ بشر ہو کر سات کام انجام دینے کی آرزو کر رہے ہیں۔ اس کتاب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ہر آرزو کو محترم مؤلفِ کتاب جناب میرزا باقر حسینی زفرہ ای اصفہانی نے بڑی محنت سے اس طرح سنوارا ہے کہ پڑھنے والا اُس کی چاشنی کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سب مومنین و مومنات کو، خصوصاً نوجوانوں کو یہ کتاب ایک دفعہ ضرور پڑھنی چاہیئے کیونکہ یہ کردار سازی میں بڑا اہم کردار ادا کرے گی۔ ہم روزمرہ کی زندگی میں بہت سی چیزوں کو کم اہم سمجھ کر ترک کر دیتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ عظیم ثواب کی حامل ہوتی ہیں۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب اخلاقِ اہلِ بیتؑ اور اُن کے احکامات کو بھی واضح کرے گی۔

میں اس کتاب میں معاونت کرنے والے سب احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، خصوصاً جناب مولانا ناصر مہدی جاڑا صاحب، جناب مولانا سید شہباز حیدر صاحب، مولانا قبلہ ریاض حسین جعفری صاحب، ادیبِ شہر قبلہ مظہر عباس صاحب اور سید قارب حسین زیدی صاحب کا بے حد ممنون ہوں۔

یہاں یہ بیان کرنا بے جا نہ ہوگا کہ میں اپنی اہلیہ سیدہ نرگس نقوی، دختر سیدہ کنیز زہرا اور فرزندان آلِ رضا، علی رضا، ہاشم رضا، محمد رضا اور نواسوں موسیٰ رضا، حسن رضا کا شکرگزار ہوں جنہوں نے اس کام کو مکمل کرنے میں میری حوصلہ افزائی کی اور مدد فرمائی۔

اللہ تعالیٰ سے دست بستہ دعا ہے کہ وہ اس حقیر کاوش کو بحق چہاردہ معصومینؑ اپنی بارگاہ میں منظور و مقبول فرمائے اور اسے میرے لئے توشۂ آخرت قرار دے، آمین ثم آمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

سید علی شیر نقوی

جعفریہ کالونی، بندروڈ، لاہور

9/ربیع الاوّل 1424ھ بمطابق 12/مئی 2003

آرزوئے جبرئیلؑ

کے مترجم کی

آرزوئے جلیل

علومِ محمدؐ و آلِ محمد کی ترویج و اشاعت یقیناً بہت بڑی سعادت ہے۔ احادیثِ معصومینؑ میں اس ضمن میں ہر ہر سطر بلکہ ہر ہر لفظ کے عوض اجرِ عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے اور اس کارِ خیر سے ادنیٰ سا تعلق بھی بخشش و نجاتِ اُخروی کا باعث بن سکتا ہے۔ البتہ یہ سب نیک نیتی اور خوشنودیٔ خدا کیلئے کام کرنے سے مشروط ہے۔ دنیاوی فخر و مباہات کیلئے سینکڑوں کتابیں بھی لکھ دی جائیں تو فلاحِ عقبیٰ کے نقطہ نظر سے بے سود ہیں۔ یقیناً خلوصِ نیت کے ساتھ انجام دیا گیا کام ہی بلندیٔ درجات کا ضامن ہے۔

خوش قسمتی سے جادۂ اہلِ بیتؑ کے راہی اور متقی و پرہیز گار، انجینئر سید علی شیر نقوی صاحب کی پہلی کاوش ''آفتابِ ولایت'' پر بھی مجھے تقریظ نگاری کا موقع ملا اور اب ان کی دوسری کاوش ''آرزوئے جبرئیلؑ'' (اردو ترجمہ) بھی میری میز پر موجود ہے۔ اس طرح مجھے دبستانِ اہلِ بیتؑ کے اس قلمکار کے علمی و ادبی قد و قامت کو ماپنے اور ان کے ارتقائی سفر کو جانچنے کا بہتر وسیلہ میسر آیا ہے۔ لہٰذا خواہش ہے کہ مترجم کے فنِ ترجمہ نگاری، علمیت اور شخصیت پر کھل کر بات کی جائے۔ البتہ یہ قصیدہ نگاری ہی نہ ہو، تنقیدِ پُر اُمید ہو۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ اُن کے ماضی کو جانا جائے، حال کا مشاہدہ و تجزیہ کیا جائے اور مستقبل کا سراغ

لگایا جائے۔

مترجم موصوف نہایت دیندار انسان ہیں۔ اُن کا ظاہر اُن کے باطن کا غماز اور باطن ظاہر سے شفاف تر ہے۔ تصنع، بناوٹ اور لاگ لپٹ اُن کی شخصیت سے کوسوں دور ہیں۔ جو کہتے ہیں، وہ کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں۔ اُن کے قول و عمل شریعت کے تابع ہیں۔ ہدایت اُن کا مقصد، مودّت اُن کا مسلک اور وحدت اُن کی منزل ہے۔ وہ ترجمہ کیلئے ایسی کتاب کا انتخاب کرتے ہیں جو وحدتِ اسلامی کی آئینہ دار اور حق وصداقت کا معیار ہو۔ اُنہوں نے مولائے کائنات سیریز کی ''آفتابِ ولایت'' کو بھی چنا تو جس میں زندگانیِ امیرالمؤمنینؑ کو مختلف زاویہ ہائے نظر سے پیش کیا گیا تھا اور اب آرزوئے جبرئیلؑ کو بھی سامنے لائے ہیں تو ہر مذہب و مسلک کیلئے ہدایت کا سامان بہم پہنچانا مقصود ہے۔ اردو زبان میں ابھی تک ایسی علمی و عملی کتب کا فقدان ہے اور اس کام کو آگے بڑھانا موصوف پر فرض ہے۔ وہ اس نردبان کے دوسرے زینہ پر قدم رکھ چکے ہیں۔

خداشناسی و خدارسیدگی ہر باشعور اہلِ ایمان انسان کا مطمعِ نظر ہے اور اس مقصدِ جلیل کے حصول ہی کیلئے سلسلۂ رسالت و امامت، کتبِ سماوی و الہامی اور فرشتگانِ الٰہی پر ایمان لایا جاتا ہے۔ آرزوئے جبرئیلؑ بھی اسی سلسلۂ ہدایت کی ایک کڑی اور اسی نورِ مالا کی ایک لڑی ہے۔ اس کتاب میں شامل جبرئیلؑ کی سات آرزوئیں حسبِ ذیل ہیں:

آرزوئے اوّل : نمازِ باجماعت میں شرکت

آرزوئے دوم : علمائے حق کی صحبت

آرزوئے سوم : لوگوں میں صلح کروادینا

آرزوئے چہارم : یتیم پر احسان کرنا

آرزوئے پنجم : مریض کی عیادت کرنا

آرزوئے ششم : تشییعِ جنازہ میں شرکت

آرزوئے ہفتم : حاجیوں کو مراسمِ حج کے دوران پانی پلانا

اگر اس حدیثِ مبارکہ پر غور کیا جائے تو کئی سوالات سامنے آتے ہیں:

☆ کیا جبرئیلؑ اور دوسرے فرشتے بھی آرزوئیں رکھتے ہیں یا محض پابندِ امرِ الٰہی ہیں؟

☆ کیا جبرئیلؑ کی یہ آرزوئیں حسرتیں بن چکی ہیں یا بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی تکمیل ممکن ہے؟

یہاں پر بحث و تمحیص میں پڑے بغیر ہم علومِ محمدؐ و آلِ محمد کی روشنی میں نہایت عجز و انکساری سے یہ کہہ کر آگے بڑھتے ہیں کہ:

☆ فرشتوں کا پابندِ امرِ الٰہی ہونا آرزوؤں کے رکھنے میں مانع نہیں۔ آرزو رکھنا ہر ذی عقل اور ذی شعور کا جبلی و فطری وطیرہ ہے۔ تبھی تو فرشتوں نے نائبِ خدا بننے کی آرزو بھی کی تھی۔

☆ جبرئیلؑ کی آرزوئیں یقیناً بے شمار ہیں۔ اس حدیث مبارکہ میں بیان شدہ یہ سات آرزوئیں جبرئیلؑ نے شاید ایک موقع پر بیان کی ہوں جو نہایت اہم اور موقع محل کی مناسبت سے ہوں اور حضورؐ نے اعمالِ صالحہ کی ترغیب و تشویق کیلئے انہیں بیان فرمادیا ہو۔

☆ جبرئیلؑ جیسے مقدس فرشتے کی یہ آرزوئیں یا دیگر آرزوئیں یقیناً پوری ہوسکتی ہیں لیکن محسوس ہوتا ہے کہ یہ جبرئیلؑ امین کی محض ذاتی ونفسانی آرزوئیں نہیں بلکہ تبلیغی و تعلیماتی آرزوئیں ہیں جن کا مقصد ہمیں بعض اعمالِ صالحہ کی اہمیت و افادیت کا احساس دلانا ہے۔ اس طرح یہ آرزوئیں بالواسطہ پوری ہوسکتی ہیں۔

اب ہم ان عمیق مطالب میں مزید غوطہ زنی کی بجائے مترجم موصوف کی ذمہ

داریوں، فرائض منصبی اور محاسنِ اسلوب کی طرف آتے ہیں تاکہ قارئین کو ذہنی بوجھ محسوس نہ ہو۔

محترم نقوی صاحب شکریہ ادا کرنے میں کچھ لطافت ونزاکت سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ہم بطور پیشگی اُن کے شکرگزار ہیں کہ اُنہوں نے ناچیز کو اپنی علمی وعملی کاوش پر اظہارِ خیال کا موقع دیا۔ اُن کا فرض ہے کہ اپنے کام کو علمائے دین اور علمائے ادب کے سامنے رکھیں اور انہیں اس پر تحریری وتقریری اظہارِ خیال کا موقع دیں۔ اس طرح فن نکھرتا ہے اور ادب کو جلا ملتی ہے۔ اہل لوگوں کی طنز وتعریض بھی نااہل لوگوں کی داد وتحسین سے کہیں بہتر ہوتی ہے۔ پھر کتاب کی تقریبِ رونمائی محض تقریبِ پذیرائی ہی نہیں ہونی چاہئے بلکہ مثبت اور منفی دونوں رجحانات سامنے آئیں تو خوب سے خوب تر کا سفر ممکن ہوتا ہے۔

آرزوئے جبرئیلؑ (اردو ترجمہ) کے مطالعہ سے نہایت وثوق کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ جو کام علمائے عصر کی ذمہ داری تھا، اُسے نقوی صاحب قبلہ نے اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہے۔ اُن کی زبان دانی میں مہارت بھی قابل ستائش ہے۔ اُن کی فارسیت پسندی اب اُردو کی نثری سلاست میں تبدیل ہوچکی ہے۔ جملات منطقی ترتیب کے حامل ہیں۔ الفاظ ومعانی میں حقیقی تعلق قائم ہوگیا ہے۔ مضامین کتاب میں سے احساسات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ قبلہ میرزا باقر حسین (مصنف) اور سید علی شیر نقوی (مترجم) ایک ساتھ سوچتے، شانہ بشانہ چلتے اور قدم بہ قدم ٹہلتے نظر آتے ہیں۔ علومِ آلِ محمدؐ اُن کا سرچشمہ ہیں اور جبرئیل علیہ السلام اُن کے رہنما بھی ہیں اور ہمقدم بھی۔ اس کاروان میں تمام جن وبشر کو دعوتِ شمولیت ہے اور ہر طرف یہ صدائے شاعر گونجتی سنائی دیتی ہے:

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

نقوی صاحب کی ترجمہ شدہ ''آرزوہائے جبرئیلؑ'' ہر مومن کو مہمیز کررہی ہیں اور علم وعمل کے جذبوں کو اُجاگر کررہی ہیں، مثلاً نمازِ باجماعت میں شرکت اختیار کرو، علمائے حق کی صحبت کو اپناؤ، تنازعات میں صلح کروادو، یتیموں پر احسان کرو، مریضوں کی عیادت کرو، تشییعِ جنازہ میں شرکت کرو، حاجیوں کو سیراب کرو۔

کتابِ ہذا عملی موضوعات پر احادیث و روایاتِ معصومین کا نادر ونایاب خزانہ ہے۔ نمازِ شب کی اہمیت میں ایک حدیث ملاحظہ کیجئے:

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اپنی آنکھوں کو زیادہ سونے کی عادت نہ ڈالو کیونکہ اس طرح اُن کا شکر کم ہو جائے گا اور روایات میں ہے کہ جو شخص جھوٹ بولتا ہے، وہ نمازِ شب سے محروم رہے گا اور جب وہ نمازِ شب سے محروم ہوگا تو وہ فراخیِ رزق سے بھی محروم ہوگا۔ نیز نمازِ شب انسان کی روزی کی ضامن ہے۔

مرحوم شیخ صدوق علیہ الرحمہ علل الشرائع میں نقل فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ زناکار اور شراب خور کو تو کافر نہیں کہا گیا مگر تارکِ نماز کو کافر کہا گیا ہے، ایسا کیوں ہے؟

امام نے فرمایا: ''انسان یہ گناہانِ کبیرہ (زناکاری وشراب خوری) شہوت کے غلبہ کی وجہ سے انجام دیتا ہے اور ان گناہوں سے لذت حاصل کرتا ہے مگر تارکِ صلوٰۃ نماز کو صرف اس لئے ترک کرتا ہے کہ وہ اسے خفیف اور کم اہم سمجھتا ہے اور نماز کے نہ پڑھنے میں اُس کو کوئی لذت بھی نہیں ملتی''۔

نمازِ وحدت کی فضیلت میں ایک روایت ملاحظہ ہو:

''اے ہمارے ماننے والو! اسلام کی برقراری کیلئے اور اہلِ سنت مسلمان بھائیوں

کے ساتھ اتحار کیلئے تم پر لازم ہے کہ اگر تمہارے سنی بھائی بیمار ہو جائیں، اُن کی عیادت کرو، اگر فوت ہو جائیں تو اُن کی تجہیز و تکفین میں شرکت کرو اور اُن کی مساجد میں نمازِ (با جماعت اور بے جماعت) ادا کرو“۔

یہ تھے کچھ اقتباسات جبرئیلؑ کی پہلی آرزو کی تفصیل و تفسیر سے۔ باقی چھ آرزوہائے جبرئیلؑ بھی اسی قسم کے موتیوں سے بھری پڑی ہیں۔ مصنف نے دو سالہ محنت و ریاضت سے اس کاوش کو مکمل کیا اور اس ضمن میں مستند کتابوں سے مدد لی۔ انہوں نے حجۃ الاسلام محمد مہدی اشتہاردی کی کتاب ”نصائح جاویدان“ سے یہ تصور لیا اور آیت اللہ مشکینی کی کتاب ”مواعظ العددیہ“ سے اس حدیث مبارکہ کو نقل کیا اور پھر اپنے مطالعہ سے علم و عمل کا یہ شاہکار تراشا۔

مترجم موصوف لڑکپن اور جوانی ہی سے ایسے تہ پاروں کے متلاشی رہے۔ علومِ اہلِ بیتؑ کا مطالعہ اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا، ہے اور رہے گا۔ وہ آج کل ملازمت کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ محتاط خطابت اور خوبصورت تراجم کو بھی بھرپور طریقہ سے نبھا رہے ہیں۔ مستقبل میں انشاء اللہ ان کے اکثر اوقات اسی کارِ خیر میں گزریں گے جو یقیناً اُن کی دنیاوی فلاح اور آخرت کی نجات کا سامان بنیں گے۔ میں نے اپنے ٹوٹے پھوٹے اور شاید غیر مرتب الفاظ میں اُن کے فن اور شخصیت پر یہ سطور تحریر کی ہیں۔ لیکن اب یہاں پر انداز سے ہٹ کر خطابیہ پیرایۂ اظہار میں اُن سے گفتگو کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔

محترم نقوی صاحب! مجھے نقاوتِ امام علی نقی علیہ السلام کی قسم! ہم سادات سے بہت توقعات رکھتے ہیں۔ یہ توقعات قومی اور ملی ہیں۔ سادات اپنی ذمہ داریوں کو کیوں نہیں سنبھال رہے؟ کیونکہ میری نظر میں علومِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ترویج و اشاعت میں اپنا تن من دھن قربان کر دینا ہی حقِ مودّت ہے۔

سادات اپنے آباء واجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہماری رہنمائی کیوں نہیں کر رہے؟ آپ کے در سے ہمیں کل بھی ہدایت ملتی تھی، آج بھی ملنی چاہیئے۔ پند ونصائح آپ کا شیوہ ہے اور نمونۂ عمل آپ کا دستور ہے۔ تقویٰ و پرہیز گاری کا درس ہمیں بھی دیجیے۔ قوم کو منظّم اور مستحکم کیجیے۔ بقول ڈاکٹر اقبال:

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغِ حسرتِ میری است

اس کتاب کی اشاعت ایک ہزار نہیں کئی ہزار ہونی چاہیے تاکہ گھر گھر جبرئیلؑ کا پیغامِ فکر و عمل پہنچ سکے۔ اسی طرح صحیح مسلمان اور کامل مومن پیدا ہو سکیں گے جو دنیا کو ظلم و ستم سے نجات دیں گے۔ کمزوروں اور ضعیفوں کو تحفظ ملے گا، امن قائم ہوگا اور صلح و آشتی کا دور دورہ ہوگا۔

ظہورِ امامؑ کے بعد رجعتِ عادلانہ قیام پذیر ہوگی۔ لٹی ہوئی چادریں واپس ملیں گی۔ جلتے ہوئے خیمے پھر سے آباد و شاد ہوں گے۔ سر برہنہ سید زادیوں کو مارے جانے والے طمانچوں، دُرّوں اور نیزوں کا حساب لیا جائے گا۔ سادات و مؤمنین پر سدا جاری رہنے والے ظلم و ستم کا خاتمہ ہوگا۔ آلِ محمدؐ کی حکمرانی ہوگی۔ مقصدِ تخلیق کائنات پایۂ تکمیل کو پہنچے گا اور مذکورہ سات آرزوئیں ہی نہیں، ہر آرزوئے جبرئیلؑ پوری ہو جائے گی۔

مظہر عباس
سابقہ فیکلٹی ممبر و ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ
یونیورسٹی کالج، لاہور،
ویسٹ منسٹر کالج، لاہور
لاہور سکول آف لاء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

عزیزانِ محترم!

کتابِ ہذا ایک حدیث کی تفسیر ہے جو پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے۔ اس کو لکھنے کی وجہ یہ بنی کہ ایک دن میں حجت الاسلام والمسلمین محمد محمدی اشتہاردی کی کتاب ''نصائح جاویداں'' کو سرسری طور پر دیکھ رہا تھا کہ میری نظر اچانک ایک صفحہ پر رُک گئی۔ اُس صفحے پر موٹے الفاظ میں لکھا ہوا تھا:

''آرزوئے جبرئیلؑ پر توجہ فرمائیں''

چونکہ یہ سرخی دلوں کو موہ لینے والی اور عجیب وغریب تھی، لہٰذا میری نظر وہیں اٹک کر رہ گئی۔ دل میں تجسس پیدا ہوا کہ دیکھوں تو سہی کہ حضرت جبرئیلؑ کی آرزوئیں کیا کیا ہیں؟ اس حدیثِ رسولؐ کو آیت اللہ مشکینی نے اپنی کتاب ''مواعظ العددیہ'' میں نقل کیا ہے:

حدیثِ رسولؐ

ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

''یا علیؑ! جبرئیلؑ میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے یہ کہا کہ اے محبوبِ خدا! میری آرزو ہے کہ کاش میں بھی بشر ہوتا اور سات کام انجام دیتا۔ یہ میری سات آرزوئیں ہیں۔

یاعلیؑ! جبرئیلؑ نے مجھے ایک ایک کر کے اپنی سات آرزوئیں گنوادیں۔ یاعلیؑ! میں آپ کیلئے جبرئیلؑ کی سات آرزوئیں بیان کئے دیتا ہوں اور تاکیداً کہتا ہوں کہ ان کاموں کے بجالانے میں اپنی انتہائی کوشش کریں''۔

اس حدیثِ رسولؐ کو پڑھنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ جبرئیلؑ کی ہر ایک آرزو کو تشریح اور تفسیر کے ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کیلئے تحریر کروں۔ ان کی تفسیر کرتے وقت احادیثِ نبویؐ اور روایاتِ آئمہ علیہم السلام سے مدد لی گئی ہے۔

الحمدللہ! میں دو سال کے عرصہ میں بہت سی مستند کتابوں سے مدد لینے کے بعد اس کام کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوا۔

میں نے اپنی کتاب کا نام بھی

''آرزوئے جبرئیلؑ''

ہی رکھا ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اس نام میں بہت دلچسپی ہے اور بہت سے مسلمان بھائی اس کتاب سے مستفید ہوں گے۔

فقط والسلام

میرزا باقر حسینی

پہلی آرزو

نمازِ باجماعت میں شرکت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جیسا کہ پیش لفظ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ کتاب حقیقت میں رسولِ اکرمؐ کی ایک حدیث کی تشریح و تفسیر ہے جس میں سات ایسے افعالِ حسنہ ہیں جن کے بجالانے کیلئے حضرتِ جبرئیل علیہ السلام بھی بشر ہونے کی آرزو کرتے ہیں۔

اس حدیث میں جو چیز قابلِ توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ ان سات افعالِ حسنہ (اچھے کام) کرنے کی صلاحیت عام انسان کو بالعموم اور مؤمنین کو بالخصوص تو میسّر ہے، لیکن فرشتے ان کاموں کو بجالانے سے محروم ہیں۔ اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کاموں کے بجالانے کا ثواب فرشتوں کی عبادت سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی مزید وضاحت کیلئے ہم ہر کام کو تفصیل سے بیان کریں گے۔

جبرئیلؑ کی پہلی آرزو

جبرئیلؑ کی پہلی آرزو نمازِ باجماعت میں شرکت ہے۔ دین اسلام میں اس کی اتنی تاکید کی گئی ہے اور اس کا اتنا ثواب بتایا گیا ہے کہ فرشتے یہ آرزو کرنے میں حق بجانب ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم نمازِ باجماعت پر بات کریں، بہتر ہے کہ اوّلاً خود نماز اور اس کی اہمیت پر بات کریں، تاکہ بعد میں اس پر سیر حاصل بحث کی جاسکے۔

ابتداء میں ہم فلسفہ نماز، نماز کو اوّل وقت میں پڑھنے کے فائدے اور ترک کرنے کے نتائج (نقصانات) کو بیان کیا جائے گا، نیز اس کے بعد نمازِ باجماعت پر بات کریں گے۔

فلسفہ نماز

اب ہم فلسفۂ نماز پر بات کرتے ہیں کیونکہ انسان بنیادی طور پر احکام کو تسلیم کرنے سے پہلے خود کو عقلی دلائل سے مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے بہت بہتر ہوگا کہ ہم نماز کے فلسفہ کو جان لیں اور اس کی حقیقت کو معصومینؑ کی زبانی سمجھنے کی کوشش کریں۔

1۔ محمد بن سنان، امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ سے کچھ سوالات پوچھے گئے جن کے جواب میں آپؑ نے فلسفۂ نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا:

صحیح بات تو یہ ہے کہ نماز:

☆ اقرار ہے خدا کی ربوبیت کا

☆ انکار ہے اُس کے شریک کا

☆ ذریعہ ہے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنے کا

☆ خدا کے سامنے اظہار ہے اپنی کم مائیگی اور ذلت کا اور

☆ زمین پر پیشانی رکھ کر عہد ہے، خدا کی ہر قسم کی بالادستی کو تسلیم کرنے کا۔

اس کے علاوہ یہ نماز دائمی طور پر ہر شب و روز خدا کو یاد کرنے کا ذریعہ ہے۔ اُس کے حضور میں عاجزانہ طور پر جھکنے سے انسان ہر طرح کے گناہوں اور فساد کے کاموں سے بچا رہتا ہے۔

2۔ حضرتِ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ جب حضرتِ آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالا گیا تو ایک سیاہ لکیر اُن کے جسم پر نمودار ہوئی اور یہ بڑھتے بڑھتے پورے جسم پر پھیل گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے گریہ وزاری شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہوئے ،لیکن اس سیاہی میں کوئی کمی نہ ہوئی۔

اسی اثناء میں حضرتِ جبرئیلؑ ظاہر ہوئے اور حضرت آدمؑ کے پاس تشریف لائے۔ رونے کا سبب پوچھا تو آدمؑ نے جواب دیا کہ میرے تمام جسم پر سیاہی پھیل چکی ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ آپ اُٹھئے اور نماز پڑھئے کہ یہ نمازِ صبح کا اوّل وقت ہے۔ حضرت آدمؑ اُٹھے اور نمازِ صبح ادا کی۔ نمازِ صبح ادا کرنے کی دیر تھی کہ وہ سیاہی سر سے لے کر سینے تک غائب ہو چکی تھی۔ اس کے بعد جب نمازِ ظہر کا وقت آیا تو جبرئیلؑ نے پھر حضرت آدمؑ سے کہا کہ نمازِ ظہر کا وقت ہو چکا ہے۔

اُٹھیں اور دوسری نماز (نمازِ ظہر) ادا کریں۔ آدمؑ نے نمازِ ظہر ادا کی تو سیاہی کم ہوکر ناف تک پہنچ گئی۔ پھر جب نمازِ عصر کا وقت آیا تو جبرئیلؑ نے پھر کہا: اے آدمؑ! اُٹھیں اور نمازِ عصر ادا کریں۔ حضرت آدمؑ نے نمازِ عصر ادا کی تو سیاہی زانو تک رہ گئی۔ اسی طرح جب سورج غروب ہوا تو جبرئیلؑ نے پھر آدمؑ سے کہا کہ اب نمازِ مغرب کا وقت ہے، اُٹھیں اور نماز ادا کریں۔ حضرت آدمؑ نے نمازِ مغرب ادا کی تو سیاہی کم ہوکر پاؤں تک پہنچ گئی۔ آخر میں نمازِ عشاء کا وقت آ پہنچا تو جبرئیلؑ نے پھر کہا: اے آدمؑ! اُٹھیں اور نمازِ عشاء ادا کریں۔ حضرتِ آدمؑ نے نمازِ عشاء ادا کی تو بقیہ سیاہی بھی غائب ہوگئی۔ حضرت آدمؑ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور خدا کی حمد وثناء کی۔

اس کے بعد جبرئیلؑ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: آپؑ کی اولاد کی مثال آپؑ کی سی ہے۔ آپؑ کی اولاد میں سے جو بھی دن اور رات میں پانچ وقت کی نماز ادا کرے گا، وہ گناہوں سے ایسے ہی پاک ہوجائے گا جیسے آپؑ اس سیاہی سے پاک ہوگئے۔

ترکِ نماز۔ تکبر کی سب سے بڑی نشانی

سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے جو خطبہ مسجد مدینہ میں دیا تھا، اُس میں اُنہوںؑ نے نماز کو ہر قسم کے تکبر سے پاک ہونے کا ذریعہ بتایا تھا:

''فَجَعَلَ اللّٰهُ الْاِیْمَانَ تَطْهِیْراً لَّكُمْ مِنَ الشِّرْكِ وَالصَّلَاةَ تَنْزِیْهاً لَكُمْ عَنِ الْكِبْرِ''۔

''خداوندمتعال نے ایمان (اللہ پر ایمان، اُس کے رسولوں پر ایمان، قیامت پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان) کو شرک سے پاک رہنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسی طرح نماز کو

تکبر سے پاک رہنے کا ذریعہ بنایا ہے''۔

اس بناء پر جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فلسفہ نماز یہ بتایا ہے کہ انسان تکبر اور خود پسندی سے دور رہتا ہے۔ نماز کی اہمیت فارسی کے ان اشعار سے بخوبی واضح ہے:

شیطان کہ راندہ شد بجز از یک خطا نکرد
خود را برای سجدہ آدم رضا نکرد
شیطان ہزار مرتبہ بہتر زبی نماز
آن سجدہ بہر آدم واین بر خدا نکرد

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام نے فلسفہ نماز اس طرح بیان کیا ہے:

''نماز کو قائم کریں اور اُس کی حفاظت کو اپنا شعار بنالیں اور زیادہ نماز پڑھیں اور اس کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کریں کیونکہ نماز شب وروز کے مختلف اوقات میں مسلمانوں پر فرض کردی گئی ہے''۔

جنت میں جانے والے اہلِ جہنم سے جب پوچھیں گے کہ کونسی چیز تمہیں جہنم میں لے گئی تو وہ جواب دیں گے ''ہم نماز نہیں پڑھتے تھے''۔

ملاحظہ ہو سورۂ مدثر، آیت 42 اور 43۔

''فِیْ جَنّٰتٍ. یَتَسَآءَ لُوْنَ. عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ.
مَاسَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ. قَالُوْلَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ.
وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ.

''وہ بہشتوں میں ہوں گے اور مجرموں کا حال پوچھتے ہوں گے (یعنی مومنین کفار سے پوچھیں گے) کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھا

کرتے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے''۔

رسولِ خداؐ نے نماز کو ایسے گرم پانی کے چشمے سے تشبیہ دی ہے جو کسی کے گھر میں جاری ہو اور صاحبِ خانہ اُس میں پانچ مرتبہ غسل کرے اور اپنے بدن کے میل کچیل کو صاف کرے تو کیا اُس کے بدن پر کسی قسم کا میل رہے گا؟ ایسے میں یقیناً کسی قسم کا میل اُس کے جسم پر نہیں رہے گا۔ اسی طرح پانچ وقت کے نماز گزار انسان کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے اور کسی قسم کا کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا۔

نماز کی قدر و منزلت وہ انسان جانتے ہیں جن کو دنیا کی رونقیں اور اس کے مال و دولت دھوکہ نہ دے سکیں اور اُن کی اولاد اور دوسری نعمتیں انہیں خدا کی یاد نہ بھلا سکیں۔

چنانچہ اس بارے میں ارشادِ خداوندی ہوتا ہے:

''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ''.

''جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے نہ فروخت (اور) ایسے دن (کی دار و گیر) سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جائیں گی''۔ (سورۂ نور: آیت 37)

اس کے باوجود کہ پیغمبرِ اسلامؐ کو بہشت کی خوشخبری مل چکی تھی لیکن وہ پھر بھی نماز ادا کرنے کیلئے سخت زحمت اُٹھاتے تھے، کیونکہ خدا نے پیغمبرؐ سے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے گھرانے کو نماز پڑھنے کی تاکید کریں اور اُس کے ادا ہونے میں ذرا صبر و تحمل سے کام لیں۔

اسی لئے آنحضرتؐ متواتر اپنے اہلِ بیتؑ کو نماز ادا کرنے کا حکم فرماتے رہے اور خود اسے ادا

کرنے میں ہمیشہ مستعد رہے۔

فضیلت واہمیتِ نماز

اب جبکہ ہم فلسفہ نماز سے آگاہ ہو گئے ہیں اور ہم نے یہ بھی سمجھ لیا ہے کہ نماز انسان کی کردار سازی میں سب سے اہم رکن ہے، ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ نماز کس صورت میں اور کس طرح پڑھنی ہے، کیونکہ یہ انسان کو برائیوں سے بچانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَر"

"بے شک نماز برائی اور فحش کاموں سے روکتی ہے"۔سورۃ العنکبوت: آیت 45

لیکن اگر نماز انسان کو برائی سے نہ روک سکے تو یقیناً وہ نماز، نماز ہی نہیں۔ حقیقت میں نماز تو وہ ہے جو صحیح قرأت کے ساتھ پاک و پاکیزہ لباس میں، پاک و پاکیزہ جگہ پر، خلوصِ نیت سے پڑھی جائے اور اوّلِ وقت پر ادا کی جائے۔ اس ضمن میں آئمہ معصومینؑ کی چند روایات کے متعلق بھی اشارہ کیا جائے گا۔ لیکن پہلے ضروری ہے کہ ہم فضیلت اور اہمیت نماز کا مطالعہ کریں اور پھر اوّلِ وقت پر اُس کی ادائیگی کی اہمیت کو دیکھیں۔

1۔ معاویہ بن وہب کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ وہ کون سا عمل ہے جو خدا سے قرب کا باعث ہے اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ میں نے اصولِ دین کی معرفت کے بعد نماز سے بہتر کسی عمل کو نہیں پایا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ بندۂ صالح یعنی عیسیٰ بن مریم نے فرمایا ہے کہ خدا نے مجھے وصیت کی ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کو جب تک زندہ ہوں، ادا کرتا رہوں۔

2۔ ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ:
''خدا کے نزدیک سب سے محبوب عمل نماز ہے اور نماز ہی پیغمبرانِ خدا کی آخری وصیت رہی ہے''۔

3۔ امام جعفر صادق علیہ السلام پیغمبرؐ اسلام سے روایت کرتے ہیں:
''نماز کی مثال ایسی ہے جیسے خیمے میں عمودی بانس۔ یعنی اگر یہ عمودی بانس اپنی جگہ پر قائم ہوگا تو اُس کی تمام طنابیں، کیلیں اور رسیاں وغیرہ فائدہ مند رہیں گی لیکن اگر خدانخواستہ عمودی سہارا گر گیا تو سب چیزیں بیکار ہو جائیں گی اور وہ خیمہ نیچے گر جائے گا۔ نماز بھی اسی طرح دین کے خیمہ کا عمود ہے۔ لہٰذا اگر نماز ناقص ہوگی یا کلی طور پر موجود نہ ہوگی تو پھر کوئی بھی عمل فائدہ نہیں دے گا۔ اگر نماز قبول ہوگئی تو باقی اعمال بھی قبول ہو جائیں گے''۔

4۔ امام محمد باقر علیہ السلامؑ سے روایت ہے کہ جب بھی ہمارا ماننے والا نماز ادا کرنے کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو فرشتے اُس کے اردگرد گھیرا ڈال لیتے ہیں اور اُس کی اقتداء میں نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُس کیلئے دعا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو جاتا ہے۔

5۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر رکوع، سجود و قیام اور بقیہ تمام ارکانِ نماز صحیح ادا کیے جائیں تو نماز ایک نورانی شکل اختیار کر لیتی ہے اور آسمانوں کی طرف پرواز کرتی ہے۔ آسمانوں کے دروازے اس کیلئے کھول دیئے جاتے ہیں اور نماز یہ کہتی ہوئی اوپر جاتی ہے کہ اے انسان! تو نے میرا خیال رکھا، خدا تیری حفاظت کرے۔ اُس وقت وہاں موجود فرشتے نماز گزار پر سلام و رحمتِ خدا بھیجتے ہیں۔ لیکن اگر نماز گزار نے واجباتِ نماز صحیح طور پر ادا نہ کیے ہوں تو نماز

خدا کے دربار تک جانے کی کوشش تو کرتی ہے لیکن آسمانوں کے در اُس پر بند ہو جاتے ہیں اور پھر یہ نماز مایوس ہو کر یہ کہتی ہے: اے بندۂ خدا! تو نے مجھے ضائع کر دیا۔ خدا تجھے ضائع کرے اور یہ نماز اُس کے منہ پر مار دی جاتی ہے۔

اوّلِ وقت پر نماز پڑھنے کی فضیلت

اوّلِ وقت پر نماز پڑھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے اور اس کے لئے بہت سی روایات موجود ہیں۔ نماز کو حتی الامکان اوّلِ وقت پر ہی ادا کرنا چاہئے اور بغیر کسی عذرِ شرعی کے اس کے ادا کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ ہمارے آئمہؑ اور رہبر ہمیشہ نماز کو اوّلِ وقت پر ہی ادا کرتے تھے اور سخت ترین حالات میں بھی اس عمل کو ترک نہیں کرتے تھے۔

علیؑ، میدانِ جنگ اور اوّلِ وقت نماز

کتاب ارشاد القلوب میں درج ہے کہ جنگِ صفین میں حضرت علی علیہ السلام مخالفین کے ساتھ بھرپور طریقہ سے نبرد آزما تھے کہ آپؑ نے آسمان کی طرف نگاہ کی تو ابن عباس نے پوچھا:

''مولاؑ! آپؑ آسمان کی طرف کیوں دیکھ رہے ہیں؟''

حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا: ''میں زوالِ آفتاب کو دیکھ رہا ہوں تاکہ اوّلِ وقت پر نماز ادا کرسکوں''۔

ابن عباس نے کہا: ''اس سخت ترین جنگ میں نماز پڑھنے کا کونسا وقت ہے؟''

آپؑ نے جواب دیا: ''پھر ہم کس لئے ان لوگوں سے جنگ لڑ رہے ہیں؟ ہماری جنگ ان لوگوں سے اسی لئے تو ہے کہ نماز قائم ہو جائے''۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے کبھی بھی نمازِ شب کو ترک نہیں

کیا، یہاں تک کہ لیلۃ الہریر (جنگِ صفین میں لڑائی کے اعتبار سے سخت ترین رات) میں بھی نمازِ شب ادا کرتے رہے۔

امام حسینؑ، روزِ عاشور اور اوّلِ وقت نماز

علامہ مجلسی بحار الانوار جلد دہم میں لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کا ایک صحابی جس کا نام ابوثمامہ صیداوی تھا، امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

''یا مولاؑ! ہم سب جو یہاں موجود ہیں، یقیناً موت کی وادی میں چلے جائیں گے، لیکن کیا ہی بہتر ہو کہ ہم نمازِ باجماعت پڑھ لیں کیونکہ نماز کا وقت ہوا چاہتا ہے''۔

امام حسینؑ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا:

''ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ جَعَلَکَ اللّٰہُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ

نَعَمْ ھٰذَا اَوَّلُ وَقْتِھَا''

''اے ابوثمامہ! تو نے نماز کا تذکرہ کیا، خدا تجھے نمازگزاروں میں شمار کرے، بے شک یہ اوّلِ وقت نماز ہے''۔

اُس وقت امامؑ نے ابوثمامہ سے کہا کہ اذان دو۔ خدا تم پر رحمتیں نازل فرمائے اور ثمامہ جب اذان سے فارغ ہوئے تو امام نے عمر سعد سے کہا:

''اے سعد کے بیٹے! کیا تو نے اسلامی شریعت کو بھلا دیا ہے؟ کیا تو اس وقت جنگ نہیں روکے گا کہ ہم نماز ادا کر سکیں؟ بعد میں پھر جنگ میں مشغول ہو جانا''۔

عمر سعد نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر امامؑ نے اپنے صحابیوں کے ساتھ نمازِ باجماعت اس حالت میں پڑھی کہ زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ حنفی آپؑ کے سامنے حفاظت کیلئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہو گئے۔ اب کیا تھا، کسی طرف سے

کوئی تیر آیا اور کسی طرف سے نیزا آیا۔ جب نماز تمام ہوئی تو اُس وقت سعید بن عبداللہ کو اتنے تیروں اور تلواروں کے زخم لگ چکے تھے کہ وہ گر گئے اور وہیں شہید ہو گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک اور جگہ فرمایا:

''میری شفاعت اُس شخص کو نہیں ملے گی جو نماز کا وقت ہونے پر اُس میں تاخیر کرتا ہے، یہاں تک کہ اُس کا وقت گزر جائے''۔

پھر آپؐ نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص اپنی نمازوں کی حفاظت کرتا ہے تو شیطان اُس سے خوفزدہ ہو جاتا ہے اور اُس کے نزدیک نہیں جاتا۔ لیکن جب وہ اپنی نمازوں کو ضائع کرتا ہے تو شیطان کو اُس شخص پر حملہ کرنے کی جرأت ہو جاتی ہے اور وہ اُسے گناہانِ کبیرہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''جو شخص واجب نمازوں کو وقت پر پڑھتا ہے اور اُن کی اہمیت کو جانتے ہوئے کسی دنیاوی کام کو اُن پر فضیلت نہیں دیتا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اُسے عذاب سے چھٹکارہ دے دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص دنیاوی کام کو نماز پر ترجیح دیتا ہے اور نماز کو اوّلِ وقت پر نہیں پڑھتا تو اُس کا معاملہ خدا پر ہے، چاہے تو اُسے معاف کر دے، چاہے تو عذاب دے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ مومن کیلئے اوّلِ وقت نماز، آخر وقت کی نسبت اُس کے مال و اولاد سے بھی بہتر ہے اور آپؑ نے ایک اور حدیث میں فرمایا:

''نمازی کیلئے دو وقت ہیں، ایک اوّلِ وقت اور دوسرا آخرِ وقت۔ نماز اوّلِ وقت میں بہتر ہے۔ صبح کی نماز کا اوّل وقت وہ ہے جب طلوعِ فجر ظاہر ہو، یہاں تک کہ اُس کی روشنی سے آسمان روشن ہو جائے۔ یہی نمازِ صبح کا اوّل وقت ہے۔ یہ مناسب نہیں کہ اس میں

جان بوجھ کرتاخیر کی جائے۔لیکن اگر کوئی کسی اہم کام میں مشغول ہو یا بھول چوک ہو جائے یا خواب سے بیدار نہ ہو سکا ہو تو اُسے فوراً نماز ادا کرنی چاہیئے۔

نمازِ مغرب کا اوّل وقت وہ ہے جب سورج غروب ہو جائے اور ستارے ظاہر ہونا شروع ہو جائیں۔کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ اوّل وقت گزار کر نماز کو بعد میں پڑھے مگر سوائے اُس کے کہ کسی کو کوئی عذرِ شرعی لاحق ہو۔

اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا:

''مولاؑ! مجھے صبح کی نماز کا افضل ترین وقت بتائیں''۔

آپؑ نے جواب دیا:''طلوعِ فجر،نمازِ صبح کا افضل ترین وقت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَاِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْداً''.(بنی اسرائیل:78)

''اور صبح کا قرآن (یعنی نماز) کے بارے میں گواہی دی جائے گی''۔

نمازِ صبح جو اوّلِ طلوعِ فجر کے وقت ادا کی جائے،اُس کو رات کا فرشتہ اور دن کا فرشتہ دونوں مشاہدہ کرتے ہیں۔

تشریح

جس وقت انسان صبح کی نماز کو اوّلِ فجر پر ادا کرتا ہے تو وہ دو مرتبہ لکھی جاتی ہے یعنی رات کا فرشتہ بھی لکھتا ہے اور دن کا فرشتہ بھی لکھتا ہے۔

نمازِ تہجد (نمازِ شب) کی فضیلت

مومن کی عظمت اور بزرگی نمازِ تہجد (نمازِ شب) پڑھنے میں ہے۔اسی نمازِ شب

کی بدولت اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ محمود عطا فرمایا۔ نمازِ شب کی فضیلت مندرجہ ذیل روایات سے ظاہر ہے:

1۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جو یہ گمان کرتا ہے کہ نمازِ شب کے پڑھنے سے بھوک و افلاس گھر میں وارد ہو جاتے ہیں، جھوٹ ہے۔ حقیقتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ نمازِ شب پڑھنے والے کو روزی کی ضمانت دی گئی ہے''۔

2۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جن گھروں میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے اور نمازِ شب ادا کی جاتی ہے، وہ گھر اہلِ آسمان کیلئے روشنی دیتے ہیں، اُسی طرح جس طرح اہلِ زمین کیلئے ستارے روشنی دیتے ہیں۔

3۔ معاویہ بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ پیغمبرؐ اسلام کی وصیت حضرت علیؑ کیلئے یہ تھی:

''یا علیؑ! میں آپؑ کیلئے چند سفارشات کرتا ہوں (اُن کو ادا کرنے میں خاص توجہ دیں) پھر خدا سے دعا کی: یا اللہ! اس کام میں علیؑ کی خاص مدد فرما۔ یا علیؑ! ان تمام سفارشات میں سب سے اہم نمازِ شب ہے۔ میں تمہیں اس کو ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور تم اس کو پابندیؑ سے ادا کرتے رہنا''۔

4۔ بی بی عائشہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا خواب سے جلد اُٹھ جاتے تھے۔ نمازِ شب اور قرآن پڑھتے تھے۔ بعد میں دعائیں مانگتے تھے اور اتنے آنسو بہاتے تھے کہ آپؐ کا چہرہ اور داڑھی مبارک تر ہو جاتے تھے۔

حضرتِ عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسولِ خداؐ سے پوچھا کہ کیا اللہ نے آپؐ کے گزشتہ اور آئندہ کو معاف نہیں کر دیا؟ رسولِ خداؐ نے فرمایا:

''کیا میں اُس کا شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں؟''

آپؑ نے مزید کہا کہ سردیوں کا موسم تو مومن کیلئے بہار ہے کیونکہ دن کو اگر روزے رکھے تو اُن کی مدت کم ہوگی اور رات لمبی ہونے کی وجہ سے مومن شب بیداری اور نمازِ شب آسانی سے ادا کر سکے گا۔

آپؑ نے کہا کہ اگر کوئی مومن اس چیز سے خائف ہو کہ صبح کے وقت وہ نیند سے بیدار نہ ہو سکے گا تو اُسے چاہئے کہ وہ نصف شب کے بعد سونے سے پہلے نمازِ شب پڑھ کر سوئے۔

5۔ عبداللہ بن سنان امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں:

☆ مومن کی شرافت نمازِ شب کے پڑھنے میں ہے۔

☆ مومن کی عزت کسی دوسرے کو اذیت نہ پہنچانے میں ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی شخص اُس وقت تک شریف اور عزت والا مومنِ واقعی نہیں بن سکتا جب تک وہ نمازِ شب کا بجالانے والا نہ ہو اور دوسرے اُس سے کسی کو اذیت نہ پہنچتی ہو۔

6۔ امام جعفر صادق علیہ السلام درج ذیل آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

''فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ''.

''پس وہی تو ہیں جن کی بدیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا''۔

(سورۂ فرقان: 70)۔

یہاں حسنات سے مراد نمازِ شب ہے جو انسان کے دن کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔

7۔ حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص سحر کے

وقت ستر مرتبہ استغفر اللہ پڑھتا ہے، وہ خدا کے نزدیک اُن افراد میں شامل ہوگا جن کے بارے میں خدا قرآن میں فرماتا ہے:

"وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ".

"اور وہ سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں"۔

8۔ آپؑ نے مزید فرمایا کہ جو شخص ہر شب کم از کم ستر آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرے گا، وہ غافل تصور نہیں کیا جائے گا۔

کچھ بزرگوں کا کہنا ہے کہ اگر تم رات سے صبح تک سو گے اور صبح پریشان حال ہو گے کہ کل رات سے صبح تک کیوں سویا اور صبح کی نماز بھی کیوں ادا نہ کی۔ اس سے بہتر ہے کہ انسان ساری رات عبادت کرے اور صبح کو اپنی اس عبادت پر فخر کرے۔

9۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اپنی آنکھوں کو زیادہ سونے کی عادت نہ ڈالو کیونکہ اس طرح اُن کا شکر کم ہو جائے گا اور روایت میں ہے کہ جو شخص جھوٹ بولتا ہے، وہ نمازِ شب سے محروم رہے گا اور جب وہ نمازِ شب سے محروم ہوگا تو وہ فراخیِ رزق سے بھی محروم ہوگا۔ آپؑ نے فرمایا کہ نمازِ شب انسان کی روزی کی ضامن ہے۔

10۔ ایک شخص حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

یا علیؑ! ایک مدت سے میں نمازِ شب ادا کرنے سے محروم ہو گیا ہوں، اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ علی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ تجھے تیرے گناہوں نے باندھ رکھا ہے۔

11۔ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ انسان کی بدبختی کیلئے بس

یہی کافی ہے کہ ایک شخص تمام رات بیدار رہے اور اُس رات خدا کی یاد سے غافل رہے اور دو رکعت نماز بھی بجا نہ لائے، یہاں تک کہ سحر ہو جائے۔

نماز کو خفیف سمجھنے کا انجام

پیغمبرؐ اسلام کا ارشاد ہے:

''لَیْسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنِ اسْتَخَفَّ بِصَلَاتِہٖ''۔

''وہ میری اُمت سے نہیں جس نے نماز کو ہلکا اور کم اہم سمجھا''۔

روایت کی جاتی ہے کہ جب امام جعفر صادق علیہ السلام کے انتقال کا وقت قریب آیا تو آپؑ نے اپنے تمام عزیز رشتہ داروں کو بلایا۔ جب تمام عزیز رشتہ دار پہنچ گئے تو آپؑ نے فرمایا:

''لَا یَنَالُ شَفَاعَتُنَا مَنِ اسْتَخَفَّ بِصَلَاتِہٖ''۔

''اُس کو ہماری شفاعت نہیں ملے گی جس نے نماز کو ہلکا اور کم اہم سمجھا''۔

آپؑ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اے میرے عزیزو! کہیں اس اُمید میں نہ رہنا کہ ہم اہلِ بیتِؑ اطہار کے رشتہ دار ہیں اور ہمیں یقیناً شفاعت ملے گی۔ کہیں اسی زعم میں تقویٰ کو نہ چھوڑ دینا اور نماز کو غیر اہم نہ سمجھ لینا۔

وہ کام جن سے نماز میں غفلت نظر آتی ہے، یہ ہیں:

1۔ نماز کو اوّلِ وقت میں نہ پڑھنا

2۔ ایسے لباس میں نماز پڑھنا جو پاک اور حلال نہ ہو

3۔ نماز کو تیز تیز اور جلدی پڑھنا

4۔ نماز کو صحیح قرأت سے نہ پڑھنا

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے جد رسولِؐ خدا مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز میں مشغول ہو گیا۔ اُس نے رکوع اور سجود میں ذکرِ واجب صحیح طور پر انجام نہ دیا۔ اس کو دیکھ کر رسولِؐ خدا نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے سر کو سجدہ میں ایسے زمین پر مارتا ہے جیسے کوا اپنی چونچ کو زمین پر دانہ اُٹھانے کیلئے مارتا ہے۔ اگر یہ شخص اسی حالتِ نماز میں مر جائے تو یہ میرے دین پر نہیں مرے گا۔

پیغمبرِؐ اسلام نے یہ بھی فرمایا:

''اَسْرَقُ السَّرَاقِ مَنْ سَرَقَ مِنْ صَلَاتِہٖ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یَسْرِقُ مِن صَلَاتِہٖ قَالَ لَا یُتِمُّ رَکُوْعِھَا وَسَجُوْدِھَا''۔

''سب سے بڑا چور وہ ہے جو نماز کو چراتا ہے۔ آپؐ سے پوچھا گیا یا رسولؐ اللہ! نماز میں سے کوئی کیسے چوری کر سکتا ہے؟ تو آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ جو رکوع و سجود کو صحیح طور پر انجام نہ دے''۔

نمازِ واجب کو وقت گزرنے کے بعد پڑھنا

ہشام جوالیقی کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے جدّ رسولِؐ خدا سے روایت کی کہ پیغمبرِؐ اسلام نے فرمایا: اگر کسی نے نماز میں یہاں تک تاخیر کی کہ نمازِ واجب کا وقت گزر گیا اور پھر اُس نے اُس کی قضا کی تو اُس کی نماز بارگاہِ خدا میں ٹکڑے ٹکڑے اور بے حال پہنچے گی۔ وہ نماز اُس نمازی کیلئے یہ کہے گی کہ اے نمازی! جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا، خدا تجھے بھی ضائع کرے۔

رسولِؐ پاک نے بعد میں فرمایا:

"اَوَّلُ مَا سُئِلَتْ بِهِ النَّاسُ اَلصَّلٰوة. اِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِوَاهَا وَاِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَاسِوَاهَا".

"(روزِ قیامت) لوگوں سے سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں کیا جائے گا۔ اگر نماز قبول ہوگئی تو باقی اعمال بھی قبول ہو جائیں گے اور اگر نماز رد ہوگئی تو باقی اعمال بھی رد کردیئے جائیں گے"۔

نماز قبول نہ ہو تو نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے

ابوبصیر کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: نماز کیلئے ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے جس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ مومن کی نماز کو بارگاہِ ایزدی میں پہنچاتا ہے۔ اگر وہ قابلِ قبول ہو تو وہ قبول کرلی جاتی ہے وگرنہ اُسی فرشتے سے کہا جاتا ہے کہ یہ واپس صاحبِ نماز کو لوٹا دو۔ وہ فرشتہ نماز کو واپس لاکر اُس شخص کے منہ پر مارتا ہے اور کہتا ہے:

"حیف ہے تم پر کہ تم ایسا عمل انجام دیتے ہو جو مجھے بے جا زحمت میں ڈالتا ہے"۔

نمازِ عصر کو تاخیر سے پڑھنے کا انجام

1۔ ابوسلام عبدی کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"یابن رسولؐ اللہ! اگر کوئی شخص نمازِ عصر کو جان بوجھ کر تاخیر سے پڑھے تو اُس کے بارے میں آپؑ کیا فرماتے ہیں؟"

آپؑ نے جواب میں فرمایا:

''وہ روزِ قیامت تن تنہا ہوگا''۔

پھر پوچھا گیا: ''چاہے وہ اہلِ بہشت سے ہو؟''

تو امامؑ نے جواب دیا: ''بے شک وہ اہلِ بہشت ہی سے کیوں نہ ہو''۔

پھر پوچھا گیا: ''بہشت میں اُس کا مقام کیا ہوگا؟''

امامؑ نے فرمایا: ''وہ بہشت میں تن تنہا اس طرح ہوگا کہ اُس کیلئے کوئی بیوی ہوگی نہ بیٹا اور رشتہ دار۔ وہ اہلِ بہشت سے درخواست کرے گا کہ اُسے قبول کریں کیونکہ اُس کی کوئی منزل اور کوئی عزیز نہ ہوگا''۔

2۔ ابوبصیر کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: دنیا چاہے تمہیں کتنا ہی فریب دے، تم نمازِ عصر کی ادائیگی میں فریب نہ کھانا اور اس نماز کو اُس وقت ادا کرنا جب سورج مکمل طور پر روشن اور عیاں ہو کیونکہ رسولِؐ خدا نے فرمایا ہے کہ (بہشت میں) وہ فقیر اور بیکس ہوگا جس نے نمازِ عصر کو ضائع کر دیا۔

ابوبصیر کہتے ہیں: میں نے پوچھا کہ فقیر اور بیکس سے کیا مراد ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: اُس کیلئے بہشت میں نہ کوئی اہل ہوگا اور نہ ہی مال ہوگا۔ پھر پوچھا کہ ضائع کرنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ نمازِ عصر کو اتنی تاخیر سے پڑھا جائے کہ آفتاب زرد ہو جائے یا چھپ جائے۔

نماز کو عمداً ترک کرنے والے کا انجام

نماز کو جان بوجھ کر ترک کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ اس کی دو صورتیں ممکن ہیں:

پہلی صورت

اگر کوئی شخص نماز کو ترک کرتا ہے، اُس کا اس پر کوئی اعتقاد بھی نہیں اور وہ اسے خدا

اور رسولؐ کا حکم نہیں سمجھتا اور اس کی انجام دہی سے بھی بے خبر ہے تو ایسا شخص کافر، نجس اور جہنمی ہے۔ ایسے اشخاص کیلئے پیغمبرؐ خدا اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے درج ذیل دو روائتیں ہم تک پہنچی ہیں:

''مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّداً فَقَدْ کَفَرَ''۔

''جس نے نماز کو جان بوجھ کر ترک کیا، وہ کافر ہے''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اِنَّ تَارِکَ الصَّلٰوۃِ کَافِرٌ یَعْنِیْ مِنْ غَیْرِ عِلَّۃٍ''۔

''اگر کسی نے بغیر کسی عذر کے نماز کو ترک کیا تو وہ کافر ہے''۔

دوسری صورت

اگر ایک شخص اعتقاد رکھتا ہے کہ نماز واجب ہے لیکن اپنی سستی کی وجہ سے نماز کو ترک کرتا ہے تو وہ فاسق ہے۔ ایسا شخص جہنم میں جائے گا لیکن دنیا میں وہ دوسروں کیلئے نجس نہیں ہوگا۔

ایک شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

''یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَوْصِنِیْ فَقَالَ لَا تَدْعُ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّداً فَاِنَّ مَنْ تَرَکَھَا مُتَعَمِّداً فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ ذِمَّۃُ الْاِسْلَامِ''۔

''یارسولؐ اللہ! مجھے کوئی وصیت فرمائیں تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نماز کو جان بوجھ کر ترک نہ کرنا کیونکہ جس نے نماز کو عمداً ترک کیا، وہ ملتِ اسلام سے خارج ہے''۔

منکرِ نماز کافر ہے

جابر روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا:

"عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَابَيْنَ الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ اِلَّا تَرْکَ الصَّلٰوۃ".

"ایمان اور کفر میں کوئی فاصلہ نہیں مگر ترکِ نماز"۔

مرحوم شیخ صدوق علل الشرائع میں نقل کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ زنا کار اور شراب خور کو تو کافر نہیں کہا گیا مگر تارکِ نماز کو کافر کہا گیا ہے، ایسا کیوں ہے؟

امامؑ نے فرمایا کہ انسان یہ گناہانِ کبیرہ (زنا و شراب خوری) شہوت کے غلبہ کی وجہ سے انجام دیتا ہے اور ان گناہوں سے لذت حاصل کرتا ہے مگر تارک الصلوٰۃ نماز کو صرف اس لئے ترک کرتا ہے کہ وہ اسے خفیف اور کم اہم سمجھتا ہے اور نماز کے نہ پڑھنے میں اُس کو کوئی لذت بھی نہیں ملتی۔

بے نماز شخص کیلئے شفاعت نہیں

نمازِ واجب کو ترک کرنا ایسا گناہ ہے جس کا قرآن مجید میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

بے نمازی کیلئے سخت عذاب ہے۔ سورۂ مدثر آیت 42 اور 43 میں ارشاد ہوتا ہے:

"فِیْ جَنّٰتٍ. يَتَسَآءَ لُوْنَ. عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ. مَاسَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ. قَالُوْلَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ. وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ".

''جنتی لوگ جہنم میں جانے والوں سے سوال کریں گے کہ کونسی چیز نے تمہیں جہنم میں پہنچادیا؟ جہنمی لوگ جواب میں کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے''۔

بے نمازی جہنم میں بدترین جگہ پر ہوں گے

سورۂ مریم میں خدا فرماتا ہے کہ انبیاء وصالحین کے بعد اُن کی اُمتوں سے ایسے افراد آجائیں گے جو اپنی غفلت اور نادانی کی وجہ سے اپنی نمازوں کو ضائع کردیتے تھے اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگے رہتے تھے۔ بہت جلد یہ لوگ جہنم میں مقامِ غیؔ پر عذاب کئے جائیں گے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ غیؔ جہنم میں ایک وادی کا نام ہے جہاں پر عذاب باقی جہنم سے زیادہ ہے۔

بے نمازی کیلئے پندرہ قسم کی سزائیں

رسولِ خداؐ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز کو خفیف اور غیر اہم سمجھے گا اور اس کے قائم کرنے میں سستی کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے پندرہ قسم کی سزائیں دے گا جن میں سے چھ سزائیں اس دنیا میں، تین سزائیں مرنے کے وقت، تین سزائیں قبر میں اور تین سزائیں روزِ قیامت دی جائیں گی:

☆ دنیا میں بے نمازی کیلئے یہ سزائیں ہوں گی:

1۔ اللہ تعالیٰ اُس کی عمر سے برکت ختم کردے گا۔

2۔ اللہ تعالیٰ اُس کی روزی سے برکت ختم کردے گا۔

3۔ اُس کے چہرے کی رونق ختم کردی جائے گی۔

4۔ اگر اُس نے کوئی نیکی کا کام انجام دیا تو قبول نہیں کیا جائے گا۔

5۔ اُس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

6۔ نیک لوگوں کی دعائیں اُس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گی۔

☆ تین سزائیں جو مرنے کے وقت ملیں گی، وہ درج ذیل ہیں:

1۔ دنیا میں ذلیل ہو کر مرے گا۔

2۔ دنیا سے پیاسا ہو کر جائے گا اور اُس کو اتنی پیاس لگے گی کہ اگر دنیا کی تمام نہریں بھی پی لے گا تو سیراب نہیں ہوگا۔

3۔ دنیا سے اس حالت میں جائے گا جیسے بہت بھوکا ہو۔

☆ تین سزائیں جو قبر میں ملیں گی، وہ یہ ہیں:

1۔ قبر میں فرشتے اُسے شکنجے میں جکڑ دیں گے اور عذاب دیں گے۔

2۔ اُس کیلئے قبر کو تنگ کر دیا جائے گا۔

3۔ اُس کی قبر تاریک رہے گی۔

☆ تین سزائیں جو روزِ قیامت ملیں گی، وہ یہ ہیں:

1۔ فرشتے اُس کو چہرے سے پکڑ کر میدانِ حساب میں لے جائیں گے جبکہ باقی لوگ اُس کو دیکھ رہے ہوں گے۔

2۔ اُس کے حساب میں سختی برتی جائے گی۔

3۔ اللہ تعالیٰ اُس پر رحمت نہیں کرے گا اور اُسے گناہوں سے پاک نہیں کرے گا۔ اُس کیلئے دردناک عذاب تیار کیا جائے گا۔

نمازِ باجماعت کی فضیلت

ہم جب نماز کی اہمیت سے واقف ہو چکے ہیں تو حضرت جبرئیلؑ کی پہلی آرزو یعنی نمازِ باجماعت کے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ کونسے عوامل ہیں جن کی بنیاد پر

حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی یہ آرزو کرتے ہیں کہ:

اے کاش! میں بشر ہوتا اور باقی انسانوں کے ساتھ مل کر نمازِ باجماعت ادا کرتا۔

1۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک روز بعد از نمازِ ظہر جبرئیلؑ ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ میرے پاس آئے اور کہا:

''یا محمدؐ! اللہ آپ پر درود و سلام بھیجتا ہے اور اس کے ساتھ اللہ نے آپ کی طرف دو تحفے بھیجے ہیں جو پہلے کسی نبی یا رسول کی طرف نہیں بھیجے''۔

میں نے پوچھا: ''اے جبرئیلؑ! بتاؤ وہ کونسے تحفے ہیں؟''

جبرئیلؑ نے کہا: ''پہلا تحفہ نمازِ شب (آٹھ رکعت نمازِ شب، دو رکعت نمازِ شفع اور ایک رکعت نمازِ وتر) اور دوسرا تحفہ پانچ وقت کی نمازِ باجماعت''۔

میں نے پوچھا: ''اے جبرئیلؑ! یہ نمازِ باجماعت میری اُمت کیلئے کیوں اہم ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے؟''

جبرئیلؑ نے کہا: ''یا محمدؐ! جب آپ کی اُمت سے دو افراد نمازِ باجماعت کیلئے کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کو ہر رکعت کے بدلے 150 فرادیٰ نمازوں کا ثواب عطا کرے گا''۔

اس کی تفصیل جبرئیلؑ نے اس طرح بیان کی:

2 افراد نمازِ باجماعت پڑھیں گے تو ہر رکعت کے بدلے 150 نمازوں کا ثواب ہوگا۔

3 افراد نمازِ باجماعت پڑھیں گے تو ہر رکعت کے بدلے 600 نمازوں کا ثواب ہوگا۔

4 افراد نمازِ باجماعت پڑھیں گے تو ہر رکعت کے بدلے 1200

نمازوں کا ثواب ہوگا۔

5افراد نمازِ باجماعت پڑھیں گے تو ہر رکعت کے بدلے 2400 نمازوں کا ثواب ہوگا۔

6افراد نمازِ باجماعت پڑھیں گے تو ہر رکعت کے بدلے 4800 نمازوں کا ثواب ہوگا۔

7افراد نمازِ باجماعت پڑھیں گے تو ہر رکعت کے بدلے 9600 نمازوں کا ثواب ہوگا۔

8افراد نمازِ باجماعت پڑھیں گے تو ہر رکعت کے بدلے 19200 نمازوں کا ثواب ہوگا۔

9افراد نمازِ باجماعت پڑھیں گے تو ہر رکعت کے بدلے 36400 نمازوں کا ثواب ہوگا۔

10 افراد نمازِ باجماعت پڑھیں گے تو ہر رکعت کے بدلے 72800 نمازوں کا ثواب ہوگا۔

اگر نمازِ باجماعت میں افراد کی تعداد 10 سے بڑھ جائے تو خدائے بزرگ و برتر اتنا ثواب عطا کرے گا جو جن و انس کیلئے لکھنا اور فرشتوں کیلئے حساب کرنا مشکل ہو جائے گا۔

اس حدیث سے نمازِ باجماعت کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جبرئیلؑ کی یہ آرزو کہ:

"کاش میں بشر ہوتا اور نمازِ باجماعت میں شرکت کر سکتا"

کی بنیاد کا پتہ چلتا ہے۔

2۔ ایک دوسری حدیث میں اس طرح ذکر ہوا ہے کہ جبرئیلؑ نے حضرتِ رسولِ خداؐ سے فرمایا:

''یا رسولؐ اللہ! اگر کوئی نمازِ با جماعت میں شرکت کرے تو صرف تکبیرۃ الاحرام کا ثواب 60 ہزار حج وعمرہ سے بھی بہتر ہے اور ایک رکعتِ جماعت ایک لاکھ طلائی دینار راہِ خدا میں خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ اسی طرح جماعت کے ساتھ ایک سجدہ سو غلاموں کو اللہ کی راہ میں آزاد کرنے سے بہتر ہے''۔

پیغمبرؐ اسلام کی ان دونوں حدیثوں کی اہمیت کو جبرئیلؑ بخوبی جانتے تھے کیونکہ وہ خود ہی تو اس پیغامِ ربانی کو پہنچانے والے تھے۔ اس واسطے جبرئیلؑ نے بشر ہونے کی آرزو کی۔

3۔ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا کہ جو کوئی نمازِ با جماعت ادا کرے تو اُس کیلئے ہر خوبی کا حسنِ ظن رکھیں اور اگر وہ کسی کی گواہی دے تو اُس کو قبول کریں۔

4۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ جو نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جائے، وہ اُن چوبیس نمازوں سے بہتر ہے جو بغیر جماعت کے پڑھی جائیں۔ تم میں پیش نمازی کیلئے سب سے موزوں شخص وہ ہے جس کی قرأت سب سے بہتر ہو۔ اگر چند افراد کی قرأت برابر ہو تو اُن میں سے پیش نمازی کیلئے وہ موزوں ہوگا جو سب سے زیادہ عالم ہو۔ اگر ایسا موقع آجائے کہ چند افراد علم میں بھی برابر ہوں تو اُس وقت جو اُن میں بزرگ ترین شخص ہو، وہ جماعت کروانے کیلئے موزوں ترین ہے۔

حضورؐ سے پوچھا گیا: یا رسولؐ اللہ! اگر عمر کے اعتبار سے بھی چند افراد برابر ہو جائیں تو؟

آپؑ نے جواب دیا: اُن میں سے جو سب سے زیادہ خوبصورت ہو، وہ سب سے زیادہ موزوں ہوگا۔

5۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے جد رسولِ خدا سے روایت کی ہے کہ حضورؐ کے پاس ایک خانہ بدوش قبیلے کا فرد آیا اور کہنے لگا:

''یا رسولؐ اللہ! میں خانہ بدوش ہوں اور میرے ہمراہ میرا نوکر اور میرے بیوی بچے ہوتے ہیں۔ نماز کے وقت ہم اذان و اقامت کہتے ہیں اور اکٹھے نماز پڑھتے ہیں۔ کیا ہماری یہ نماز باجماعت تصور کی جائے گی؟''

آپؑ نے فرمایا: ''ہاں''۔

اُس نے پھر کہا: ''یا رسولؐ اللہ! بعض اوقات ایسے ہوتا ہے کہ میرا نوکر اونٹوں کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ ہم اذان و اقامت کہتے ہیں، تمام اہلِ خانہ نماز ادا کرتے ہیں تو کیا یہ نماز بھی نمازِ باجماعت تصور کی جائے گی؟''

آپؑ نے فرمایا: ''ہاں''۔

اُس نے پھر کہا: ''یا رسولؐ اللہ! بعض اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ نوکر کے علاوہ میرے بیٹے بھی کسی کام پر گئے ہوتے ہیں اور پیچھے میں اور میری بیوی ہوتے ہیں۔ میں حسبِ معمول اذان و اقامت کہنے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ نماز ادا کرتا ہوں تو کیا یہ بھی نمازِ باجماعت تصور ہوگی؟''

آپؑ نے جواب دیا: ''ہاں''۔

6۔ حسین صیقل کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ جماعت کیلئے کم سے کم کتنے فرد ہونا ضروری ہیں؟ آپؑ نے جواب میں فرمایا کہ ایک مرد اور ایک عورت۔

7۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص چالیس روز تک نمازِ باجماعت میں شرکت کرے اور تکبیرۃ الاحرام کو پائے تو اُس کیلئے دو انعام ہوں گے: پہلا جہنم کی آگ سے آزادی اور دوسرا نفاق سے امان (پناہ)''۔

8۔ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص بغیر کسی عذر کے نمازِ جماعت کو چھوڑ دے تو اُس کی نماز کامل نہیں ہوگی (اس سے مراد یہ ہے کہ گو اُس کی نماز باطل تو نہیں ہوگی لیکن یہ نماز اعلیٰ وارفع بھی نہیں ہوگی)۔

9۔ ایک اور حدیث میں رسولِؐ خدا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرتا اور تم سے اُس کی بابت سوال کیا جائے تو تم صرف یہ کہو کہ میں اُس کو حقیقتاً نہیں پہچانتا۔ اُس کی تعریف نہ کرو کیونکہ ترکِ جماعت کی وجہ سے وہ قابلِ تعریف نہیں، لیکن اُس کی برائی بھی نہ کرو کیونکہ شاید یہ غیبت تصور ہو۔

10۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مسجد کی طرف نمازِ باجماعت ادا کرنے کی نیت سے چلے تو اُس کے ہر قدم کے بدلے اللہ تعالیٰ اُس کو ستر ہزار نیکیاں عطا کرے گا اور اُس کو ستر ہزار درجے عطا کرے گا۔ اگر وہ اس حالت میں مر جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کیلئے ستر ہزار فرشتے مقرر فرمائے گا۔ یہ فرشتے اُس کیلئے قیامت کے دن تک تسبیح بیان کرتے رہیں گے اور اُس شخص کیلئے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔ اس کے علاوہ قبر میں اُس کی تنہائی کے وقت اُس کے مونس اور ساتھی ہوں گے۔

11۔ عبداللہ بن سنان امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن پیغمبرؐ خدا نے صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اپنا رُخ نمازیوں کی طرف کر کے اپنے کچھ صحابہ کے نام لئے اور پوچھا کہ آیا میرے یہ صحابہ اپنے گھروں

ہی پر ہیں یا شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں؟ موجود صحابیوں نے بتایا کہ یا رسولؐ اللہ! وہ اپنے گھروں پر ہی ہیں تو آپؐ نے فرمایا: یاد رکھنا، نمازِ صبح اور نمازِ عشاء منافقین پر بہت سخت ہوتی ہے اور اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس کی کیا فضیلت ہے تو لوگ مسجد کی طرف (بچوں کی طرح) گرتے پڑتے آتے۔

12۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد بزرگوار سے اور وہ اپنے جد حضرت رسولِ خداؐ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا: اگر کوئی شخص نمازِ مغرب، عشاء اور فجر جماعت کے ساتھ پڑھے تو وہ ایسے ہے جیسے ساری رات نماز میں مشغول رہا ہو۔

13۔ حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ ایک دفعہ پیغمبرؐ خدا نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کی اور پھر اپنے ایک صحابی کا نام لیا جو اُس وقت وہاں موجود نہ تھے۔ آپؐ نماز و تعقیبات سے فارغ ہونے کے بعد اُس صحابی کے گھر تشریف لے گئے۔ دَقُّ الباب کیا تو اُس صحابی کی بیوی دروازے پر آئیں۔ آپؐ نے اپنے صحابی کے بارے میں پوچھا۔

صحابی کی بیوی نے بتایا کہ یا رسولؐ اللہ! میرا شوہر ساری رات ذکر و عبادت میں مشغول رہا اور اس واسطے صبح کی نماز گھر پر ہی ادا کر کے اب محوِ آرام ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب وہ بیدار ہو تو اُس کو بتا دینا کہ مجھے اُس رب کی قسم جس کے قبضہ میں مَیں محمد کی جان ہے کہ صبح کی دو رکعت نماز جماعت کے ساتھ ساری شب کی عبادت سے افضل ہے۔

14۔ جمیل بن صالح نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

"یا مولیٰ! ان دو کاموں میں سے کون سا کام بہتر ہے یعنی اگر ایک شخص اوّل

وقت میں تنہا نماز پڑھ لے یا تھوڑی تاخیر کے بعد جماعت کے ساتھ نماز پڑھے''۔

آپؑ نے فرمایا: ''اگر تھوڑی تاخیر کر لے اور نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے تو یہ بہتر ہے کہ وہ اوّل وقت میں تنہا نماز ادا کرے''۔

نمازِ وحدت کی فضیلت

نمازِ جماعت کی فضیلتیں بیان کرتے ہوئے یہاں نمازِ وحدت (شیعہ اور سنی کی اکٹھی نماز) کا ذکر کرنا اور اُس کی فضیلت بیان کرنا بے جا نہ ہوگا۔

1۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''اے ہمارے ماننے والو! عظمتِ اسلام کی برقراری کیلئے اور اہلِ سنت مسلمان بھائیوں کے ساتھ اتحاد کیلئے تم پر لازم ہے کہ اگر تمہارے سنی بھائی بیمار ہو جائیں تو اُن کی عیادت کرو، اگر فوت ہو جائیں تو اُن کی تجہیز و تکفین میں شرکت کرو، اُن کی مساجد میں نماز (با جماعت اور بے جماعت) ادا کرو''۔

2۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو (ہمارا جو شیعہ، اہلِ سنت کی نمازِ با جماعت میں شرکت کرے) اُن کی پہلی صف میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا، اُس کو وہی ثواب ملے گا جو خود رسولِ خداؐ کے ساتھ با جماعت نماز کی صفِ اوّل میں ملتا تھا۔

3۔ تفاسیر میں امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ ایک دن اُن کے ایک ماننے والے نے برادرانِ اہلِ سنت کی جماعت میں شرکت کی۔ اُس نے محسوس کیا کہ امام نے اُس کو دیکھ لیا ہے، لہٰذا خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت کرنے لگا۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے اُس سے کہا کہ بھائی تجھے معذرت اُس صورت میں

کرنا چاہئے تھی کہ اگر تو نے نمازِ باجماعت ترک کردی ہوتی۔ اے بندۂ خدا! زمین اور آسمان کے فرشتے جو تجھ پر مامور ہیں، تجھ پر (اس عمل یعنی حفظِ وحدتِ بین المسلمین کی وجہ سے) درود بھیج رہے ہیں۔ نیز اللہ نے فرشتوں کو تمہاری اس نمازِ باجماعت کے بدلے سات سو فرادیٰ نمازوں کے ثواب کے برابر ثواب لکھنے کا حکم دیا ہے۔

4۔ عبداللہ بن سنان، امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نماز کو اوّل وقت پر پڑھتا ہے لیکن بعد میں اُسی نماز کو برادرانِ اہلِ سنت کی جماعت کے ساتھ ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کو پچیس درجے عطا کرتا ہے۔

5۔ اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے کہا:

''اے اسحاق! کیا تم برادرانِ اہلِ سنت کے ساتھ اُن کی جماعت میں شرکت کرتے ہو؟''

میں نے عرض کیا: ''یا بن رسولؐ اللہ! ہاں شرکت کرتا ہوں''۔

آپؑ نے فرمایا: ''اے اسحاق! اُن کے ساتھ نماز ادا کیا کرو کیونکہ اُن کے ساتھ جماعت میں پہلی صف میں نماز ادا کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص جہاد میں اپنی شمشیر باہر کھینچے''۔ (برادرانِ اہلِ سنت کے ساتھ جماعت میں شرکت کرنے سے انسان اصل میں شیطان کے خلاف جہاد کررہا ہوتا ہے جو بین المسلمین تفرقہ اور نفرت پھیلانا چاہتا ہے)۔

اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب

مفضل بن عمر، امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے

فرمایا کہ جو شخص اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرے گا، اُس کے پیچھے دو صفیں فرشتوں کی بھی نماز ادا کر رہی ہوں گی۔ اگر کوئی صرف اقامت کہہ کر نماز پڑھتا ہے تو اُس کے پیچھے گویا ایک صف فرشتوں کی نماز ادا کر رہی ہوتی ہے۔

آپؑ سے پوچھا گیا کہ صف میں کتنے فرشتے ہوتے ہیں اور صف کتنی ہوتی ہے تو آپؑ نے فرمایا کہ کم از کم مشرق سے مغرب تک اور زیادہ سے زیادہ زمین و آسمان کے درمیان تک۔

دس سال تک اذان کہنے کا ثواب

سعد بن ظریف، امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا کہ جو کوئی رضائے الٰہی کیلئے دس سال تک اذان کہے گا، اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ بمقدار اُس کی حدِ نگاہ اور اُس کی حدِ آواز معاف فرمائے گا۔ اس کے علاوہ جو کوئی اُس کی اذان سن کر مسجد میں نماز ادا کرے گا، مؤذن کو بھی اُس کی نماز کا ثواب ملے گا اور جو جو اُس کی اذان سن کر نماز پڑھے گا، مؤذن کیلئے بھی اتنی تعداد میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔

اگر کوئی دس سال سے کم عرصہ تک اذان کہتا ہے تو اُس کا اجر و ثواب اس حد تک نہیں ہوگا بلکہ جو ثواب عموماً اذان کہنے کا ہے، اُسے وہی ملے گا، البتہ اس کی شرط بھی وہی ہے کہ اذان فقط رضائے الٰہی کیلئے کہی جائے۔

نماز کے بعد دعائے رضیتُ باللہ

علی بن جعفر اپنے بھائی امام موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام اور وہ اپنے والدِ گرامی امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا کہ جو کوئی نماز پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھے گا:

"رَضِیتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِالْقُرآنِ كِتَابًا وَّبِالْكَعْبَةِ قِبْلَةً وَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ نَبِيًّا وَّبِعَلِيٍّ وَلِيًّا اِمَامًا وَّبِالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَعَلِيٍّ وَّ مُحَمَّدٍ وَّجَعْفَرٍ وَّمُوسٰى وَعَلِيٍّ وَّ مُحَمَّدٍ وَّعَلِيٍّ وَّالْحَسَنِ وَالْخَلَفِ الصَّالِحِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ آئِمَّةً وَّسَادَةً وَّ قَادَةً بِهِمْ اَ تَوَلّٰى وَمِنْ اَعْدَآئِهِمْ اَ تَبَرَّاُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة".

تو یہ خدا پر ہے کہ روزِ قیامت اُس کو خوش کر دے۔

نمازِ مغرب کے بعد نمازِ نافلہ کا ثواب

ابو العلاء حفّاف امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جو کوئی نمازِ مغرب کے بعد بغیر کلام کئے دو رکعت نمازِ نافلہ ادا کرے گا تو اُس کا ثواب بہشت کے ایک اعلیٰ مقام علیین میں لکھا جائے گا اور چار رکعت (دو دو رکعت کر کے نمازِ نافلہ) ادا کرنے والے کو ایک حجِ مقبول کا ثواب دیا جائے گا۔

وہب بن وہب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جدِ بزرگوار پیغمبرؐ خدا سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ ساعتِ غفلت میں نمازِ نافلہ ادا کرو، چاہے وہ مختصراً دو رکعت ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی بدولت خدا بہشت میں نعمتوں سے پُر گھر عطا کرے گا۔

پوچھا گیا: "یا رسولؐ اللہ! ساعتِ غفلت کونسی گھڑی ہے؟"

آپؐ نے جواب دیا کہ مغرب اور عشاء کے درمیان والا وقت۔

تعقیباتِ نماز کے فوائد

جابر جعفی، امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا:

خداوند جل جلالہٗ اولادِ آدمؑ سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اے انسان! تو نمازِ صبح اور نمازِ عصر کے بعد اپنے رب کا کچھ دیر ذکر کیا کرتا کہ میں تیری تمام مشکلات کو حل کروں''۔

مسجد جانے کا ثواب

کلیب صیداوی، امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: توریت میں خدا کا یہ فرمان لکھا ہے کہ دنیا میں میرا گھر مسجد ہے۔ وہ شخص خوش قسمت ہے جو اپنے گھر میں طہارت کر کے، باوضو ہو کر مسجد کو میری زیارت کیلئے جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ صاحبِ خانہ پر مہمان کا احترام لازم ہے۔

ہمسایۂ مسجد کی گھر پر نماز قبول نہیں

شیخ طوسی، پیغمبرؐ خدا سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

''لَا صَلوٰةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدْ''

''مسجد کے ہمسایہ کی مسجد کے علاوہ نماز قبول نہیں''۔

شیخ طوسی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ مسجد کا ہمسایہ بغیر عذرِ شرعی اگر گھر میں نماز پڑھے گا تو اُس کو یہ نماز کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

مسجد کی ہمسائیگی کی حدود

شیخ صدوق، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں اور

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جدِ بزرگوار امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: مسجد کی ہمسائیگی چاروں طرف چالیس چالیس گھروں تک ہے۔

مسجد الحرام اور مسجد النبی میں نماز پڑھنے کا ثواب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جدّ رسولؐ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: میری اس مسجد (مسجد النبی) میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب خدا کے نزدیک دس ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے اور مسجد الحرام میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔

شیخ طوسی، حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے روایت کرتے ہیں کہ بیت المقدس میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔ جامع مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک سو نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔ محلے کی مسجد میں ایک نماز کا ثواب پچیس نمازوں کے برابر ہے جبکہ گھر میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب صرف ایک نماز ہی ہوگا۔

مسجدِ قبا میں نماز پڑھنے کا ثواب

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسجدِ قبا میں دو رکعت نماز پڑھنا ایسے ہے جیسے عمرہ بجالایا جائے۔

مسجدِ خیف میں نماز پڑھنے کا ثواب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مسجدِ خیف میں نماز پڑھو کیونکہ یہ مسجد منیٰ میں ہے اور رسولؐ اللہ کے زمانہ میں سے مسجدِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھا جاتا

تھا۔(جب تک تم منیٰ میں رہو، نماز مسجدِ خیف میں ادا کرو)۔

اس مسجد میں ایک ہزار پیغمبروں نے نماز پڑھی ہے۔اس کو خیف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ منیٰ میں بلندترین مقام پرواقع ہےاورسب سے بلند مقامِ آبادی کوخیف کہتے ہیں۔

مسجدِ کوفہ میں نماز پڑھنے کا ثواب

اُم المومنین حضرتِ عائشہؓ،پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جس رات میں معراج پر گیا تو میں واپس مسجد کوفہ میں آیا اور اُس جگہ میں نے دو رکعت نماز پڑھی۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ مسجد کوفہ میں واجب نماز ادا کرنے کا ثواب ایک حجِ مقبول کے برابر ہےاور ایک نمازِ نافلہ پڑھنے کا ثواب ایک عمرۂ مقبول کے برابر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ مسجد کوفہ میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب کسی اور جگہ کی نسبت ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔

مرحوم شیخ عباس قمی مفاتیح میں لکھتے ہیں کہ مسجد کوفہ اُن چار مسجدوں میں سے ایک ہے جہاں مسافر دس روز قیام کے ارادہ کے بغیر بھی پوری نماز پڑھ سکتا ہے۔اس مسجد میں مسافر نمازِ قصر یا پوری نماز دونوں طریقوں سے پڑھ سکتا ہے۔

نیز موصوف مفاتیح میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد کوفہ گزشتہ پیغمبروں کی بھی جائے نماز تھی۔روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی مسجد کوفہ میں نماز پڑھیں گے۔اسی مسجد میں ایک ہزار پیغمبروں اور اُن کے وصیوں نے نماز پڑھی ہے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسجد کوفہ، مسجد الاقصیٰ جو بیت المقدس میں ہے، سے بھی افضل ہے۔

مسجدِ سہلہ میں نماز پڑھنے کا ثواب

یہ جان لیں کہ مسجد سہلہ میں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد کوفہ کے بعد سب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ حضرتِ ادریس اور حضرتِ ابراہیم علیہما السلام کا گھر، حضرتِ خضر کیلئے محلِ داخلہ اور اُن کی جائے سکونت ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مسجد سہلہ امامِ زمانہ علیہ السلام کی منزل ہے۔ اس میں ایک ایسا پتھر نصب ہے جس میں تمام انبیاء کی تصاویر نقش ہیں۔

پھر آپؑ نے فرمایا کہ اگر میں اُس مسجد کے قریب ہوتا تو میں تمام نمازیں اُس میں پڑھتا۔ اُس وقت آپؑ نے اپنے ایک صحابی جس کا نام ابوبصیر تھا، کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے ابا محمد! جو کچھ میں نے ابھی تک اس مسجد کی فضیلت کے بارے میں نہیں کہا، وہ اس سے زیادہ ہے جو میں نے اُس کی فضیلت کے بارے میں کہا ہے''۔

مسجدِ براثا کی اہمیت اور اُس میں نماز پڑھنے کی فضیلت

جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ ہم حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ ایک جنگ (بااشرار) سے واپس پلٹ رہے تھے کہ راستے میں مسجد براثا میں علی علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ ہم مجاہدوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ کے قریب تھی۔ اُس وقت ایک عیسائی پادری اپنے گرجا سے نکل کر ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کا سردار کون ہے؟ ہم نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ہمارے سردار ہیں۔

اُس عیسائی نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف رُخ کیا اور سلام کے بعد کہا:

''کیا آپ پیغمبر ہیں؟''

حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا: ''نہیں، وہ تو میرے سردار تھے جو اس دنیا

سے جا چکے ہیں''۔

عیسائی نے پھر کہا: ''تو کیا آپؑ اُن کے وصی ہیں؟''

آپؑ نے کہا: ''ہاں''۔ حضرت علیؑ نے اُس عیسائی سے کہا:

''بیٹھ جاؤ اور بتاؤ کہ تم نے یہ سوالات کیوں کیئے؟''

اُس عیسائی نے جواب دیا: ''میں نے مقدس مقامِ براثا کی خاطر اس گرجا اور اس جگہ کو منتخب کیا تھا کیونکہ میں نے آسمانی کتابوں میں پڑھا تھا کہ یہاں اتنی کثیر تعداد میں کوئی نماز نہیں پڑھے گا۔ مگر یا تو وہ نبی ہوگا اور یا وہ اُس کا وصی ہوگا۔ آج میں نے اُس چیز کو یہاں دیکھا ہے اور میں اس نیت سے آیا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں''۔

وہ عیسائی اس طرح مسلمان ہو گیا اور ہمارے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اُس وقت حضرت علی علیہ السلام نے اُسے کہا:

''بتاؤ آج تک یہاں کس کس نے نماز پڑھی ہے؟''

اُس نومسلم نے بتایا: ''یہاں حضرت عیسیٰؑ بن مریم اور اُن کی والدہ نے نماز پڑھی ہے''۔

اس پر علی علیہ السلام نے اُسے کہا کہ کیا میں تجھے بتاؤں؟

اُس نومسلم نے جواب دیا: ''بسم اللہ! آپؑ مجھے ضرور بتائیں''۔

اس پر حضرت علی علیہ السلام نے اُسے جواب دیا کہ حضرتِ ابراہیم خلیلؑ اللہ۔

مسجد کا احترام واجب ہے

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھا ہو اور اُس کے منہ میں پانی آجائے اور وہ شخص مسجد کے احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے مسجد میں نہ تھوکے بلکہ اُسے حلق سے نیچے اُتار لے تو پروردگار (اُس تھوک کو) اس نیت (احترام) کے سبب اُس کی مرض کی

شفا بنا دے گا۔

مسجد میں صفائی کرنے کی فضیلت

حضرت امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام اپنے جد بزرگوار پیغمبرؐ خدا سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص جمعرات کے دن یا شبِ جمعہ مسجد کی صفائی کرے اور وہاں سے گرد و غبار، اگر چہ اُس کی مقدار سرمۂ چشم کے برابر ہی کیوں نہ ہو، کو باہر نکال دے تو پروردگارِ عالم اُس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

مسجد میں روشنی کیلئے چراغ جلانے کا ثواب

انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: جو شخص کسی مسجد میں روشنی کا بندوبست کرے، ساکنین عرش اور فرشتے اُس شخص کی بخشش کیلئے اُس وقت تک دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ روشنی رہتی ہے۔

مسجد تک پیدل جانے کا اجر و ثواب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص مسجد تک پیدل چل کر جائے، اُس کے پاؤں کے نیچے آنے والی زمین (ساتویں تہہ تک) اُس شخص کیلئے پروردگار کی تسبیح کرتی ہے۔

دوسری آرزو

علمائے حقّہ کی صحبت

علمائے حقہ کی صحبت

جبرئیل علیہ السلام کی دوسری آرزو علمائے حقہ کی ہم نشینی اور صحبت ہے۔ حدیث میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا ثواب فرشتوں کی عبادت سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے عبادت تو تنہا کر سکتے ہیں لیکن کسی عالم انسان کی صحبت میں نہیں بیٹھ سکتے۔

اس بناء پر یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ علماء کی صحبت اور ہم نشینی واقعاً اجرِ عظیم کی حامل ہے کیونکہ اس کی آرزو، خود سردارِ ملائکہ حضرتِ جبرئیل علیہ السلام کر رہے ہیں۔ اس کی اہمیت کو بہتر طور پر سمجھنے کیلئے ہم اہلِ بیت علیہم السلام کے در پر چلتے ہیں اور اُن سے علمائے حقہ کی خصوصیات کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام، پیغمبرؐ خدا سے روایت کرتے ہیں کہ علماء کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم اُن علماء کی ہے جنہوں نے علم حاصل کیا اور اُس پر کماحقہٗ عمل بھی کیا۔ یہ علماء کامیاب ہوں گے۔

دوسری قسم اُن علماء کی ہے جنہوں نے علم حاصل کیا لیکن اُس پر عمل نہ کیا۔ ایسے افراد سے قیامت کے روز ایسی بدبو اُٹھے گی کہ تمام اہلِ جہنم بھی اس سے سخت اذیت میں مبتلا ہوں گے۔ اس قسم کے علماء جہنم میں سب سے زیادہ پشیمان اور حیرت زدہ ہوں گے اور کفِ

افسوس ملیں گے کیونکہ دنیا میں اُنہوں نے لوگوں کو صراطِ مستقیم دکھایا اور خدا کی طرف دعوت دی اور لوگوں نے اُن کے کہنے کے مطابق عمل کر کے جنت حاصل کر لی۔ لیکن ان بد بخت علماء نے خود کو بھلا دیا اور واصلِ جہنم ہو گئے۔

بے شک علم بغیر عمل کے نہ صرف کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا بلکہ نقصان دہ ہوتا ہے کیونکہ لوگ اس اعتقاد سے کہ عالم جو کچھ کہتا ہے، سچ ہے، قبول کرتے ہیں لیکن جب دیکھتے ہیں کہ خود عالم اُس پر عمل نہیں کرتا تو وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے، وہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ لوگوں کا استدلال یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ عالم کہہ رہا ہے، اگر سچ ہوتا تو وہ خود اُس پر عمل کیوں نہ کرتا۔ اس طرح لوگوں کا اعتماد اُس کی سچی باتوں سے بھی اُٹھ جاتا ہے۔ علماء کے اس طرزِ عمل سے اسلام اور مسلمانوں کو ایک شدید دھچکا لگتا ہے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ذَلَّةُ العَالِمِ كَانكِسَارِ السَّفِينَةِ تَغرِقُ وَتُغرِقُ''۔

''عالم کی غلطی ایسے ہی ہے جیسے سالم کشتی عین دریا میں ٹوٹ جائے جس سے کشتی بھی غرق ہو جاتی ہے اور اُس کے سوار بھی غرق ہو جاتے ہیں''۔

اس بناء پر ایک عالم لوگوں کیلئے کشتی کی طرح نجات دہندہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اکثر لوگ جہالت و نادانی اور غفلت کے سمندر میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ ایسے میں عالم اُن کو ہلاکتِ یقینی سے نجات دلاتا ہے۔

علمائے باعمل پیغمبرانِ خدا کے قابلِ اعتماد افراد ہوتے ہیں۔ اسی ضمن میں پیغمبر اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اَلفُقَهَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ مَالَم يَدخُلُوافِي الدُّنيَا

قِیلَ: یَارَسُولُ اللّٰہِ وَمَادَخُولُھُم فِی الدّنیا؟قَالَ اِتّبَاعُ السُّلطَان، فَاِذَا فَعَلُوا ذٰلِکَ فَاحذَرُوھُم عَلٰی اَدیَانِکُم".

''عالم اُس وقت تک اللہ کے رسولوں کے بااعتماد ہوتے ہیں جب تک وہ خود مادّی دنیا میں نہ ڈوب جائیں۔آپؑ سے سوال کیا گیا: یارسولؐ اللہ! مادی دنیا میں ڈوب جانے سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: مادی دنیا میں ڈوب جانے سے مراد بادشاہوں اور سلطانوں کی پیروی کرنا ہے۔اگرایسا ہواورآپ کسی عالم کواس طرح دیکھیں تواپنے دین کی حفاظت کیلئے اُس کی پیروی سے اجتناب کریں''۔

آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا کہ اُن کے مادّی دنیا میں ڈوبنے سے کیا مراد ہے؟

پیغمبرؐ خدا نے جواب دیا: اس سے مراد اُن کا سلطانوں اور بادشاہوں کی پیروی کرنا ہے کیونکہ اگرایسا ہواورلوگ اس چیز کو جان لیں تو اپنے دین کو بچانے کیلئے اُن سے بچنا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ سے چندنکات واضح ہوتے ہیں جو ذیل میں درج کئے جارہے ہیں:

1۔ رسولِؐ خدا کا یہ فرمان کہ فقہاء رسولوں کے بااعتماد ہوتے ہیں، یہ بتا رہا ہے کہ غیر فقہاء چاہے کچھ بھی ہوں، اللہ کے رسولوں کے معتمد نہیں بن سکتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء سے مراد وہ افراد ہیں جن کی لوگوں کو اطاعت اور تقلید کرنی چاہئے۔

2۔ پیغمبروں کے معتمدوں کو صرف اُس راستے پر چلنا چاہئے جس پر اللہ کے پیغمبر خود چلتے تھے اور اُن کو ہر قسم کی خطا اور گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔

بقولِ معروف ''اُن کو پیغمبروں جیسا ہونا چاہئے''۔

3۔ خدا کے پیغمبروں نے دنیا کو اپنا مطمعِ نظر نہیں بنایا۔ اُنہوں نے تو اسے صرف ابدی حیات اور نعمتوں والی دنیا کیلئے وسیلہ سمجھا۔ لہٰذا اسی طرح فقہاء جو اللہ کے رسولوں کے معتمد ہوتے ہیں، اُنہیں بھی یہاں زاہدانہ زندگی گزارنی چاہئے اور اس دنیا میں اپنا دل نہیں لگانا چاہئے۔

4۔ تمام پیغمبرانِ خدا کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ وقت کے جلاد سلطانوں، بادشاہوں اور فرعونوں کو تبلیغ کریں اور نصیحت کریں۔ اگر وہ نہ مانیں تو یہ مخالفت کریں۔ فقہاء کو بھی اسی روش پر چلنا چاہئے۔

5۔ سلطانوں اور بادشاہوں کے تابع ہو جانا دنیا پرستی کے برابر ہے اور جو کوئی دنیا پرست ہو جائے، اُس کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ کو فقیہہ کہلوائے اور پیغمبروں کا جانشین بنے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سلطانوں اور بادشاہوں کے تابع ہونے کا مطلب اُن کے اعمال سے رضایت ہے۔

6۔ پس جو علماء سلطانوں اور بادشاہوں کی پیروی کی وجہ سے دنیا پرست بن جائیں، اُن کی اتباع اور تقلید نہیں کرنی چاہئے۔ اگر کوئی بھولے سے اُن کی تقلید کر بیٹھا ہو تو فوراً اُن سے دوری اختیار کرنی چاہئے کیونکہ ایسے علماء کی تقلید بھی باطل ہے۔ لہٰذا کسی دوسرے صالح فقیہ کی تقلید کر لینی چاہئے۔ بے شک بغیر تقلید کے اعمال باطل ہیں۔

7۔ حدیث میں لفظ سلطان استعمال کیا گیا ہے، نہ کہ بادشاہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ بھی لفظ سلطان میں شامل ہے اور دیگر عہدے بھی۔ یعنی صدر، وزیر اعظم، وزراء۔ لفظِ سلطان اپنے اندر وسیع معنی رکھتا ہے۔ اس لفظ کا اطلاق ہر شعبہ کے

سربراہ پر کیا جا سکتا ہے۔ اگر حدیث میں لفظ مَلَک ہوتا تو اُس صورت میں مراد صرف بادشاہ ہوتا۔

مندرجہ بالا نکات کو مدِنظر رکھیں تو معلوم ہوگا کہ فقیہ یا مرجعِ تقلید وہ ہونا چاہئے جو کسی بھی منحرف سلطان کے نقش قدم پر نہ چلے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے، وہ اُن کو اپنے نقش قدم پر چلائے کیونکہ اس صورت میں نہ صرف کوئی برائی نہیں بلکہ یہ فرمانِ امام جعفر صادق علیہ السلام کے عین مترادف ہے۔

امامؑ فرماتے ہیں:

''اَلمُلُوکُ حُکَّامٌ عَلٰی النَّاسِ وَالعُلَمَاءُ حَکَمٌ عَلَی المُلُوکِ''.

''بادشاہ عوام الناس پر حاکم ہوتے ہیں اور علماء بادشاہوں پر''۔

(بادشاہ علماء پر حکومت کرنے کا حق نہیں رکھتے)۔

سید مہدی بحرالعلوم کا ایک دلچسپ واقعہ

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جسے مختلف افراد نے نقل کیا ہے کہ ایک روز بروجرد کا حاکم، سید مہدی بحرالعلوم کے والد بزرگوار کو ملنے کیلئے آیا۔ یہ اُس وقت بروجرد کے انتہائی قابلِ احترام بزرگان میں سے تھے۔ سید مہدی اُس وقت ابھی بچے تھے۔ حاکمِ بروجرد واپسی پر سید مہدی سے گھر کے صحن میں ملا اور سید مہدی بحرالعلوم سے بڑی مہربانی اور محبت سے پیش آیا۔

جب حاکمِ بروجرد چلا گیا تو سید مہدی اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

''بابا جان! مجھے آپ اس شہر سے کسی اور شہر میں بھجوا دیں کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں میں ہلاک نہ ہو جاؤں''۔

اُن کے والد نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟''

سید مہدی نے کہا:

''جب سے حاکمِ بروجرد سے ملا ہوں اور اُس نے میرے ساتھ مہربانی اور محبت کا اظہار کیا ہے، اُس وقت سے میرا دل کچھ کچھ حاکم کی طرف جھک رہا ہے۔ اس طرح کے حاکم کیلئے میرے دل میں جو بغض ہونا چاہئے تھا، اب وہ نہیں رہا۔ اب مجھے یہاں نہیں رہنا چاہئے''۔

پس سید مہدی نے وہاں سے ہجرت کی اور نجف اشرف تشریف لے آئے۔ اس واقعہ سے اور اس طرح کے دیگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی عالم ظالم و ستمگر حکام سے برأت اختیار کرتا ہے اور اُن کے افعال و کردار سے بالکل موافقت نہیں کرتا۔

اچھے علماء کی نشانیاں (پہچان)

اب جبکہ ہمیں علماء کے فرائض اور ذمہ داریوں کا علم ہو چکا ہے، بہتر ہوگا کہ اچھے علماء کی نشانیاں بھی معلوم کریں تا کہ ہم جبرئیل علیہ السلام کی آرزو کے مطابق اُن کی ہم نشینی کریں اور اُن کی صحبت سے فائدہ اُٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا''۔

''اللہ کے بندوں میں صرف اور صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں''۔

(سورہ فاطر: آیت 28)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مذکور علماء، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور جن کا ذکر خدا نے کیا ہے، وہ علماء ہیں جن کا عمل اُن کے کلام کی تصدیق کرتا ہے اور جن علماء کے اعمال اُن کے کلام کی تصدیق نہیں کرتے، وہ علماء کی صف میں شامل نہیں ہیں۔

صادقِ آلِ محمد جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے جدِ امجد امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں عالمِ ربانی وفقیہ حقیقی کا تعارف کرواؤں؟''

لوگوں نے عرض کیا: ''یا امیر المؤمنینؑ! ہاں''۔

تو حضرت علیؑ نے فرمایا: ''حقیقت میں عالمِ ربانی وہ ہے جو لوگوں کو خدا کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ عذابِ الٰہی سے مطمئن کر کے بے خوف نہ بنائے اور اس طرح گناہ کی اجازت نہ دے، تلاوتِ قرآن کو کم اہمیت سمجھ کر اور قرآن کے علاوہ کسی دوسری چیز کو زیادہ مرغوب جان کر تلاوت کو ترک نہ کردے''۔

مولا امیر المؤمنینؑ نے فرمایا:

''آگاہ ہو جاؤ کہ اُس علم کا کوئی فائدہ نہیں جس میں تعلیم و تفہیم نہ ہو''۔ (یعنی وہ علم جو دوسروں تک نہ پہنچایا جا سکے اور اُس سے دوسروں کو سمجھایا نہ جا سکے)۔

اور ''اُس تلاوتِ قرآن کا کوئی فائدہ نہیں جس میں غور وفکر نہ ہو''۔

اسی طرح ''اُس عبادت کا کوئی فائدہ نہیں جس میں علم وفہم نہ ہو''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ حقیقی عالم وہ ہے جو غذا ولباس کا بندہ (غلام) نہ ہو جائے (سوائے حلال کے)۔

دین کے سچے عالم کی جو نشانیاں بیان کی گئی ہیں، اُن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے

کہ حقیقی عالم وہی ہے جو خود کو لباس پہننے اور غذا کھانے میں مقید نہ کرے یعنی اِن ضروریات میں تنقید و بحث نہ کرے۔

کتاب مصباح الشریعہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''علم کی میراث خوفِ خدا ہے''۔

خود علم معرفت کی دلیل ہے اور قلبِ ایمان ہے یعنی علم اجزائے ایمان کا اعلیٰ ترین اور قیمتی حصہ ہے۔ اسی لئے اگر علم نہ ہو تو ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

پس جو عالم خوفِ خدا نہیں رکھتا، وہ حقیقی عالم نہیں، اگرچہ اُس نے علم کی تحصیل میں اپنے بال سفید ہی کیوں نہ کر لئے ہوں اور اس کی دلیل یہی ہے جو فرمانِ خدا ہے:

''اِنَّمَا یَخشَی اللّٰهُ مِن عِبَادِہِ العُلَمٰٓءُ''۔

''اللہ کے بندوں میں صرف اور صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں''۔

ہر چیز کیلئے آفت و مصیبت ہے اور علم کیلئے آفت و مصیبت آٹھ چیزیں ہیں:

1۔ طمع۔

2۔ بخل۔

3۔ ریاکاری۔

4۔ غضب۔

5۔ اپنی تعریف سن کر خوش ہونا۔

6۔ اپنے کلام کو بڑے بڑے الفاظ استعمال کر کے طولانی کرنا یعنی لفاظی کرنا۔

7۔ فخر و مباہات کرنے میں خدا سے شرم نہ کرنا۔

8۔ اپنے علم پر عمل نہ کرنا۔

نتیجہ بحث

ذکر شدہ روایات و احادیث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اچھا عالم وہی ہے جو خدا سے ڈرے، اپنے علم پر عمل کرے تا کہ اُس کی گفتار اور کردار میں فرق نہ رہے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں۔ اپنے وعظ و درس میں افراط و تفریط سے کام نہ لے اور حدِ اعتدال پر رہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ڈرانے اور عذاب والی آیات و روایات کو اتنا بیان نہ کرے کہ لوگ رحمتِ خدا سے مایوس ہو جائیں اور نہ ہی رحمت و بخشش والی آیات و روایات کو اتنا بیان کرے کہ لوگ عذابِ الٰہی سے مطمئن ہو جائیں بلکہ لوگوں کی تربیت اس طرح کرے کہ لوگ گناہ نہ کریں۔

اس کے علاوہ خود بھی تلاوتِ قرآن کو ترک نہ کرے۔ لباس و غذا کے قید و بند میں نہ اُلجھے۔

ناپسندیدہ صفات یعنی طمع، ریا کاری، غضب، خود پسندی (اپنی تعریف سن کر خوش ہونا)، گفتگو میں لفاظی، اپنے علم پر فخر و مباہات کرنے میں خدا سے شرم نہ کرنے اور اُس پر عمل نہ کرنے، سے دور ہو۔

اگر کوئی ایسا عالم مل جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہی حقیقی عالم ہے اور وہی وہ عالم ہے جس کی صحبت اور ہم نشینی کی آرزو جبرئیل علیہ السلام نے پیغمبرِ اسلام سے کی تھی۔

اگر کسی میں درج بالا خصوصیات ہوں اور وہ مقامِ اجتہاد پر بھی فائز ہو تو عوام پر اُس کی تقلید واجب ہے اور اگر وہ صرف خطیب ہی ہو تو پھر اُس کی خطابت بھی لوگوں کیلئے مفید اور کردار ساز ہو گی۔

اب جبکہ ہم اچھے علماء کی صفات اور نشانیوں سے واقف ہو گئے تو بہتر ہو گا کہ

بُرے علماء کی صفات اور نشانیوں کو بھی جان لیں اور یہ حقائق بھی پیغمبرؐ خدا کی زبانی اور اُنؑ کے برحق جانشینوں کی پاک زبانوں ہی سے سنیں تو بہتر ہوگا۔

علمائے سُو کی نشانیاں

پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص ایسا علم حاصل کرے جس سے رضایتِ خدا مل سکتی ہو لیکن وہ شخص رضائے الٰہی کو چھوڑ کر اُس علم سے صرف دنیاوی غرض وغایت حاصل کرنے تک ہی محدود رہے، وہ قیامت والے دن جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکے گا۔

توضیح

ہر علم کو ہم دو مقاصد کے حصول کیلئے استعمال کر سکتے ہیں، ایک مادّی مقصد اور دوسرا معنوی مقصد۔ جیسے علمِ دین سے معاشرے کی اصلاح وہدایت کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کوئی عالم اس سے انحراف کرے اور اپنے علم کو صرف فخر وتکبر یا مال ودولت کے حصول یا اعلیٰ عہدے کے حصول کیلئے وسیلہ کے طور پر استعمال کرے تو ایسے عالم کیلئے ارشادِ رسالت ہے کہ روزِ قیامت اُس کے مسام جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکیں گے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص علمِ طب حاصل کرتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ عوام الناس کی خدمت کر کے رضائے الٰہی حاصل کر سکتا ہے لیکن وہ اُس علم کو صرف اور صرف دنیاوی مال ودولت کو اکٹھا کرنے کا وسیلہ بنائے تو ایسا شخص بھی قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکے گا۔

ایک اور حدیث میں پیغمبرؐ خدا نے فرمایا کہ علم حاصل کرنے والے علماء کی گردنوں پر قیامت کے روز ایک سنگین ذمہ داری ہوگی، سوائے اُن کے جنہوں نے عمل کیا ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے فرمایا کہ عالم کا ایسا علم جس سے کسی کو فائدہ نہ پہنچا ہو، قیامت والے دن اُسی علم کا عذاب اُس عالم پر سب سے زیادہ ہوگا۔

توضیح

اس حدیث میں علم کے فائدے سے مراد یہ ہے کہ کبھی کبھار انسان علم حاصل کرتا ہے اور اپنے اُس علم سے دوسروں کو تنگی پہنچاتا ہے، ایسے علم سے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور بعض اوقات اُس علم سے لوگوں کو تو فائدہ پہنچ جاتا ہے لیکن وہ شخص خود اپنے علم پر عمل نہیں کرتا کہ اُسے بھی اُس کا فائدہ پہنچے۔

اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اچھا عالم بس وہی ہے جس کے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچے اور خود اُس کو بھی فائدہ پہنچے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک اور حدیث روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب یہ دیکھو کہ ایک عالم دنیا کی طرف رغبت رکھتا ہے (اور دنیا ہی کو اپنی منزل سمجھتا ہے) تو اُس کے دین کا اعتبار نہ کرو (یعنی اُس سے دینی مسائل نہ پوچھو اور نہ ہی اُس پر دینی کاموں میں اعتماد کرو)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی سے محبت و رغبت رکھتا ہے، اُس کو بچانے کیلئے کوشش بھی کرتا ہے۔ اشارۃً یہ ہے کہ جو عالم اس دنیا کا دوست بن گیا، لازماً وہ دنیا کو اپنے دین و آئین اور شرف پر ترجیح دے گا۔ دنیاوی رغبت صرف دنیاوی مال و دولت کی رغبت ہی نہیں ہوتی بلکہ ظاہری جاہ و جلال، مقام و شہرت اور جاگیرداری بھی اس میں شامل ہوتی ہے۔ پس جس کے دل میں ذکر شدہ دنیاوی اشیاء کیلئے محبت پائی جائے، وہ اس حدیث میں شامل ہوگا۔

ایک اور حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ اے میرے پیغمبر داؤد! اپنے اور میرے درمیان کسی ایسے عالم کو مت لا جو دنیا کا دیوانہ ہو اور جو تجھے میری دوستی سے ہٹائے۔ ایسے علماء حقیقت میں میرے بندوں کیلئے صراطِ مستقیم کے ڈاکو ہیں۔ ایسے علماء میری اطاعت و بندگی سے باہر ہیں۔ (اس بات کی خبر اُن علماء کو بھی دے دو اور تم بھی جان لو) میں ایسے افراد کیلئے کمترین سزا جو دوں گا، وہ یہ ہوگی کہ وہ میری جو مناجات پڑھیں گے، اُن میں کوئی مٹھاس اور دلچسپی نہیں ہوگی۔

نتیجہ بحث

ان پانچ احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علمائے سُو وہ ہوتے ہیں جو علم کو نہ تو رضائے الٰہی کیلئے حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی اُس پر عمل کرتے ہیں۔ اُن کا علم اکثر خود اُن کیلئے اور بیشتر لوگوں کیلئے بے فائدہ ثابت ہوتا ہے۔ اُنہوں نے چونکہ علم کو رضائے الٰہی اور عملِ صالح کیلئے حاصل نہیں کیا ہوتا، لہٰذا وہ دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ایسے افراد کا وجود دین اسلام اور لوگوں کے ایمان کیلئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ پروردگار بھی اُن کو لذتِ دعا اور مناجات کی مٹھاس سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ ہیں علمائے سُو کی خصوصیات!

حضرت جبرئیل علیہ السلام جو علماء کی ہم نشینی اور صحبت کی خاطر بشر ہونے کی آرزو کرتے ہیں، اُن کا مقصود تمام علماء نہیں بلکہ اُن کا مطمعِ نظر ایک عالمِ باعمل ہے جس کے وجود سے خلقِ خدا کی نجات وابستہ ہے۔

اب جبکہ ہمیں عالمِ صالح و حقیقی اور بُرے عالم میں واضح فرق معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے صرف علمائے صالح اور حقیقی کی ہم نشینی کی آرزو کی ہے، آیئے دیکھتے ہیں کہ ان علمائے صالح کی صحبت کیا اثر رکھتی ہے اور حضرت

جبرئیل علیہ السلام کا ان کی ہم نشینی میں رہ کر کیا حاصل کرنا مقصود تھا تا کہ ہم بھی اُن کی پیروی کرتے ہوئے علماء کے ہم نشین بن کر وہ اہداف حاصل کریں۔

علمی مجالس میں بیٹھنے کی اہمیت

کتاب جامع الاخبار کے مطابق ابوذر غفاریؓ حضرت رسولِؐ خدا سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

''اے ابوذرؓ! ایسی مجلس جس میں علمی بحث و مذاکرہ ہو، میں ایک گھنٹہ بیٹھنا ایک ہزار شب بیدار رہنے سے بہتر ہے جبکہ ہر شب میں ایک ہزار رکعت نماز بھی پڑھی جائے، نیز قرأت اور تمام قرآن کی تلاوت سے بہتر ہے''۔

ابوذرؓ نے حیران ہو کر پوچھا: ''یا رسولؐ اللہ! کیا علمی بحث تمام قرآن کی تلاوت سے بھی بہتر ہے؟''

پیغمبرؐ خدا نے جواب میں فرمایا: ''اے ابوذر! ایسی مجلس میں جس میں علمی بحث و مذاکرہ ہو، خدا کے نزدیک بارہ ہزار ختم قرآن سے بہتر ہے۔ یہ تم پر واجب ہے کہ علمی بحث کی اہمیت کو پہچانو کیونکہ اس کے توسل سے تم حرام اور حلال کے علم کو پا سکو گے''۔

''اے ابوذر! خدا کے نزدیک ایسی مجلس جس میں علمی مذاکرہ ہو، ایک گھنٹہ بیٹھنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے جس کے ہر روز میں انسان روزہ رکھے اور ہر رات کو عبادتِ خدا کرے''۔

کتاب روضۃ الواعظین کے مطابق بعض اصحابِ رسولؐ نے روایت کی ہے کہ انصار میں سے ایک شخص پیغمبرؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

''یا رسولؐ اللہ! اگر ایک طرف تشیع جنازہ ہو اور دوسری طرف علمی مجلس ہو اور عالم سے ملاقات ہو تو بتائیں کہ آپؐ کے نزدیک کونسا کام بہتر ہے؟''

آپؑ نے جواب دیا: ''اگر اُس جنازے کیلئے دوسرے افراد موجود ہوں جو تشیعِ جنازہ کرسکیں تو میرے نزدیک عالم کی زیارت اور علمی مجلس زیادہ محبوب اور افضل ہے، بہ نسبت ہزار تشیع جنازہ میں شرکت کرنے سے، ہزار مریض کی عیادت کرنے سے، ہزار شب بیدار رہنے سے اور عبادت کرنے سے، ہزار دن روزہ رکھنے سے، ہزار درہم غریبوں اور فقراء میں صدقہ کرنے سے اور ہزار حج و جہاد مستحب وغیر مستحب میں شرکت کرنے سے''۔

اس سب کو بیان کرنے کے بعد آپؑ نے فرمایا:

'یہ سب ایک عالم کی ملاقات کے کہاں برابر ہوسکتا ہے! کیا تم نہیں جانتے کہ خدا کی بندگی اور اطاعت بھی علم کی بدولت ہی ممکن ہے؟ دنیا و آخرت کی تمام خوبیاں اور نیکیاں علم ہی کی وجہ سے ممکن ہیں اور دنیا و آخرت کی تمام برائیاں اور شر جہالت کی وجہ سے ہے'۔

ابھی ہم نے دیکھا کہ عالم کی صحبت اور علمی مجالس مذاکرہ میں شرکت کی کتنی اہمیت ہے۔ مناسب ہوگا کہ ہم تحصیلِ علم کی اہمیت اور اس کے واجب ہونے کے بارے میں بھی کچھ بحث کریں۔ لیکن اس سے پہلے کہ موضوع کی طرف جائیں، ہم اسلامی نقطہ نظر سے واجبات کی تقسیم پر نظر دوڑاتے ہیں۔

گو واجب ارکان کی کئی اقسام ہیں، اُن میں سے واجبِ عینی اور واجبِ کفائی بھی ہیں:

واجبِ عینی

اُن اُمور یا اعمال کیلئے کہا جاتا ہے جن کا ادا کرنا فرداً فرداً ہر ایک پر لازم ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔

واجبِ کفائی

اُن اُمور یا اعمال کیلئے کہا جاتا ہے کہ اگر کچھ افراد اُن کو بجالائیں تو بقایا تمام افراد پر ساقط ہو جاتا ہے، جیسے موت کے احکام یعنی غسلِ میت، نمازِ جنازہ۔ یہ تمام مسلمان حاضرین پر واجب ہیں لیکن جب کچھ افراد ان کو بجالائیں تو باقی افراد پر واجب نہیں رہتا اور اُن پر ساقط ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر جب ایک مسلمان فوت ہو جاتا ہے تو تمام حاضر مسلمانوں پر واجب ہے کہ اُس کو غسل دیں، کفن پہنائیں، اُس کی نمازِ جنازہ پڑھیں اور اُسے دفن کر دیں۔ لیکن اگر کچھ افراد اس کام کو بجالائیں تو باقی حاضر مسلمانوں پر سے یہ واجب عمل ساقط ہو جاتا ہے۔

اسی طرح معاشرہ کی ضروریات پوری کرنے کیلئے کچھ اور اُمور بھی ہیں جو واجبِ کفائی کے عنوان کے تحت آتے ہیں۔ شروع میں تو وہ سب پر واجب ہوتے ہیں تا کہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کیا جا سکے، جیسے حکومت کے انتظامی اُمور، طبیب، معمار، بڑھئی، درزی، انجینئرز اور دوسرے ہنر مند۔ لیکن جب معاشرہ کے کچھ افراد ان پیشوں کو اپنا لیتے ہیں تو باقی تمام افرادِ معاشرہ سے یہ واجبِ کفائی ساقط ہو جاتا ہے۔

یاد رہے کہ واجبِ عینی اس طرح ہیں جیسے اگر کچھ افراد اپنی نمازِ پنجگانہ ادا کر دیں تو باقی افراد پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہر فرد پر جدا جدا اپنی نماز ادا کرنا واجب ہوگا۔

تحصیلِ علم

تحصیلِ علم کے بارے میں جو احادیث اور روایات پیغمبرؐ اسلام اور اُن کی پاک آلؑ کی جانب سے ہم تک پہنچی ہیں، اُن پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ علوم کا حاصل کرنا

واجبِ عینی ہے اور کچھ علوم کا حاصل کرنا واجبِ کفائی ہے۔ اب ہم ہر ایک کو تفصیل سے دیکھیں گے کہ کونسے علوم واجبِ عینی ہیں اور کونسے واجبِ کفائی۔

پہلے ہم تحصیلِ علم کے بارے میں واجبِ کفائی والی روایات پر نظر ڈالتے ہیں۔

1۔ امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام کا فرمان ہے کہ علوم کی چار اقسام ہیں:

"اَلعُلُومُ اَربعَةٌ: اَلفِقهُ لاَدْيَان، وَالطِّبُّ لِلاَبدَانِ وَلنَّحوُ لِلّسَانِ وَالنُّجُومُ لِمَعْرِفَةِ الاَزمَانِ".

۱۔ علمِ فقہ، دین کو پہچاننے کیلئے۔

۲۔ علمِ طب، انسانی جسموں کی صحت کیلئے۔

۳۔ علمِ نحو (عربی)، زبان کی حفاظت کیلئے (تا کہ بول چال میں کوئی خطا نہ ہو)۔

۴۔ علمِ نجوم، زمانہ کی شناخت کیلئے۔

درج بالا فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ علوم کی چار اقسام معاشرے کیلئے لازم ہیں اور اگر معاشرے کے کچھ لوگ جدا جدا ان علوم کو حاصل کر کے ان پر ملکہ حاصل کر لیتے ہیں اور وہ معاشرے کی ضروریات کو پورا کر دیتے ہیں تو باقی سب لوگوں پر اُن علوم کا حاصل کرنا ساقط ہو جائے گا۔ گو شروع میں سب پر واجب تھا کہ ان علوم کو حاصل کیا جائے۔

2۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ يَحْصٰى فَخُذْ مِنْ كُلِّ شَئٍ

اَحْسَنَهُ"۔

"علوم کی اقسام شمار سے بھی زیادہ ہیں، تو اُس علم کو حاصل کر جو سب سے بہتر ہے"۔

رسولِ خدا کے فرمان کے مطابق علوم کی اقسام تو بہت زیادہ ہیں۔ ان میں مفید بھی ہیں اور غیر مفید بھی۔ لیکن ان میں جو مفید ہیں، اُن کو ہی حاصل کیا جائے اور جو غیر مفید ہیں، اُن کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ فرمان کا یہ جملہ "فَخُذْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اَحْسَنَه" اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ فائدہ پہنچانے والے علوم کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ ان میں واجبِ عینی بھی ہیں اور اکثر واجبِ کفائی بھی ہیں۔

یہ مثالیں تو علومِ واجبِ کفائی کی تھیں، اب ہم وہ علوم جو واجبِ عینی ہیں، کو دیکھتے ہیں۔

1۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان تو سب پر واضح ہے:

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ"

"علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے"۔

رسولِ خدا کے اس فرمان کی تفسیر میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جن علوم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب (عینی) ہے، وہ علمِ تقویٰ و یقین ہے۔

مرحوم علامہ مجلسیؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی توضیح کو آسان کرتے ہوئے کہا کہ علمِ تقویٰ سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی تو ہیں کیونکہ ان علوم

کے جاننے سے انسان اپنے آپ کو عذابِ خدا سے بچا سکتا ہے اور علمِ یقین سے مراد وہ علم ہے جو اصولِ دین کی معرفت عطا کرتا ہے۔

2۔ ایک حدیثِ رسولؐ جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے اور اصولِ کافی میں درج ہے، کہ مطابق ایک روز پیغمبرؐ اکرم مسجد میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے دیکھا کہ کچھ افراد ایک شخص کے گرد دائرہ بنائے کھڑے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ شخص سب سے عقلمند ہے۔ یہ گزشتہ زمانہ کے عربی شعراء کے اشعار اور واقعات و حادثات کو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا کہ یہ وہ علم ہے جس کے نہ جاننے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ آپؐ نے فرمایا کہ علم حقیقت میں بس تین ہیں یعنی:

''آيَةٌ مُحكَمَةٌ، فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ، سُنَّةٌ قَائِمَةٌ''

''آیتِ محکمہ، فریضہ عادلہ اور سنت قائمہ ہے''۔

ان کے علاوہ باقی سبھی علوم اضافی ہیں۔

مرحوم دانشمند فیض کاشانی اس حدیث میں پیغمبرؐ اسلام کا وہ جملہ کہ ''اس علم کے نہ جاننے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اُس شخص کی معلومات، عربی اشعار اور گزشتہ واقعات کی تفصیل جاننا حقیقی علم نہیں بلکہ حضورؐ کی نظر میں حقیقی علم تو وہ ہے جو معاد اور قیامت کے جاننے کے بارے میں مفید ہو اور جن کا نہ جاننا قیامت کے دن کیلئے نقصان دہ ہے۔ حقیقی علم وہ نہیں جس کو عوام پسند کریں اور وہ علم مال و دولت اکٹھا کرنے کیلئے وسیلہ بنے۔

رسولؐ پاک کے ارشاد کے مطابق علم کی تین اقسام بتائی گئی ہیں اور پہلی ''آیۃ

محکمہ'' اصولِ عقائد کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ آیاتِ محکمات دلالت کرتی ہیں دنیا کی ابتداء اور قیامت پر اور ان کیلیئے الفاظ آیہ اور آیات بہت جگہوں پر استعمال کئے گئے ہیں۔

دوسری قسم ''فریضہ عادلہ'' کا اشارہ علمِ اخلاق کی طرف ہے کیونکہ ہر نیکی لشکرِ عقل کا حصہ ہے اور ہر بُرائی لشکرِ جہل کا حصہ ہے۔ پس انسان پر واجب ہے کہ وہ لشکرِ عقل کو حاصل کرے اور لشکرِ جہل سے دور رہے۔

عادلہ سے مراد حدِ وسط ہے یعنی افراط و تفریط کے بین بین (افراط کے معنی ہیں کسی چیز کو اُس کے مقام سے زیادہ بلند کر دینا اور تفریط کے معنی ہیں کسی چیز کو اُس کے مقامِ اصلی سے بھی گھٹا دینا)۔ اسلام نہ افراط کا قائل ہے اور نہ تفریط کا۔

تیسری قسم ''سنتِ قائمہ'' کا اشارہ احکامِ شریعت کی طرف ہے یعنی مسائلِ حرام و حلال کا جاننا۔ علومِ دینی کا دارومدار بھی انہی تین اقسام کے علوم پر ہے اور انسانیت کی معراج بھی تین ہی علوم پر مبنی ہے یعنی علمِ اصول وعقائد انسانی عقل کیلیئے ہے، علمِ اخلاق انسانی جان و دل کیلیئے ہے اور علمِ حلال و حرام انسانی بدن کیلیئے ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لوگوں کا تمام علم چار اقسام پر مبنی ہے:

پہلا علم: اپنے خدا کو پہچانو، دوسرا علم: یہ جان لو کہ کون کونسے عوامل انسان کے بننے میں کام آئے، تیسرا علم: یہ جانو کہ تم سے کیا چاہا گیا ہے اور چوتھا علم: یہ جانو کہ کون کونسی چیزیں ہیں جو تمہیں دین سے خارج کرتی ہیں۔

اُستاد کا انتخاب

اس چیز کو معلوم کرنے کے بعد کہ ہمارے اوپر کون سے علوم کا حاصل کرنا واجب ہے، اب ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ اطہار کی نظر میں اُستاد کا انتخاب کیسے کیا جائے کیونکہ انسان کی تعلیم و تربیت گھریلو ماحول کے بعد مدرسہ اور جماعت میں ہوتی ہے جہاں معلم و

اُستاد انسانوں کی تربیت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اُستاد زیرِ تعلیم افراد کی شخصیت سازی میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں اور ساتھ ساتھ اُن کی تربیتِ بد سے خراب بھی ہو سکتے ہیں۔ اس ضمن میں آئمہ معصومینؑ کی کچھ روایات بیان کی جاتی ہیں:

1۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایسے علماء کے پاس بیٹھنے سے خبردار رہو جو تمہیں یقین کی منزل سے شک کی منزل کی طرف لے جائیں، مقامِ اخلاص سے ریاکاری کی طرف لے جائیں، تواضع سے تکبر اور خود پسندی کی طرف لے جائیں۔ جو نصیحت کو دشمنی قرار دیں، جو زہد و تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ کی بجائے ضلالت و گمراہی کی راہ دکھائیں اور خدا کی طرف رغبت سے منحرف کریں۔

مگر ایسے علماء کے پاس بیٹھو جو تمہیں تکبر سے تواضع کی طرف لے جائیں، ریاکاری سے اخلاصِ عمل کی طرف لے جائیں، شک سے یقین کی طرف لے جائیں، گمراہی اور دنیا پسندی سے زہد و تقویٰ کی طرف لے جائیں کیونکہ ایسے افراد جو بذاتِ خود سچے دل سے ان قبیح کاموں سے نہ ڈرتے ہوں، وہ زمانے میں کسی اور کو نصیحت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔

پس ایسے علماء کو تلاش کرو جن میں صفاتِ بالا موجود ہوں، وہی حق اور ناحق کی تمیز کر سکتے ہیں اور لوگوں کو صحیح راستے پر چلا سکتے ہیں۔

2۔ کتاب غوالی اللئالی میں پیغمبرؐ اسلام سے روایت کی گئی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ایک روز حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا:

''یا روح اللہ! ہمیں بتائیں کہ ہم کس قسم کے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھیں؟''

حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا: ''اُن لوگوں سے میل ملاپ اور رابطہ رکھو جن کی ملاقات سے خدا کی یاد آئے (یعنی جن کے چہرے نورانی ہوں)۔ اُن کی گفتار (عالمانہ وحکیمانہ) سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور وہ تمہارے اوپر اثر انداز ہو اور اُن کے اعمال ایسے ہوں جن سے تمہیں آخرت کی طرف رغبت ہو''۔

یہ تھیں چند روایات جن سے اچھے اُستاد کی صفات کا پتہ چلتا ہے اور وہ اُستاد ہی ہوتے ہیں جو اپنے شاگردوں کی کردار سازی میں بنیادی ومرکزی حصہ دار ہیں کیونکہ ساتھی یا اُستاد دنیا پرستی کی بیماری سے آلودہ ہوں یا اُن میں تکبر، ریاکاری، کینہ اور عداوت پروری کے جراثیم پائے جائیں تو بلا شک وشبہ اُن کا اثر اُن کے شاگردوں اور ساتھیوں پر بھی پڑے گا۔

تعلیم وتربیت کے فوائد

جس طرح علم کے حصول کیلئے آئمہ اطہارؑ سے روایات ملتی ہیں، اسی طرح علم کی تعلیم دینے کے بارے میں بھی روایات ملتی ہیں جن کا جاننا انتہائی مفید ہوگا۔ جس طرح اچھے علوم کی تعلیم دینے میں اُستاد بھی اجر وثواب کا حقدار ہوتا ہے، اُسی طرح ایک گمراہ اُستاد کو غلط تعلیمات کی بنیاد پر سخت عذاب دیکھنا پڑے گا۔ اس سلسلہ میں چند روایات درج کی جارہی ہیں:

1۔ امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفیٰؐ کی حدیث روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

روزِ قیامت جب لوگ محشر کے میدان میں حاضر کئے جائیں گے تو کچھ افراد کو نامۂ اعمال دیئے جائیں گے، ہر نامۂ اعمال جو نیکیوں سے پُر ہوگا اور ایسے ہوگا جیسے بہت بڑا پہاڑ ہو یا بہت بڑا رحمت کا بادل۔ وہ اُس کو دیکھ کر اپنے پروردگار

سے عرض کریں گے کہ خدایا! ہم نے تو اتنی نیکیاں انجام نہیں دی تھیں جو آج دیکھ رہے ہیں تو اُن کو جواب دیا جائے گا کہ یہ تو وہی علم ہے جو تم نے لوگوں کو دیا تھا۔ لوگوں نے توبہ کرنے کے بعد تمہاری تعلیم پر عمل کیا (اُن اعمال میں تم بھی شریک تھے)۔

یعنی وہ اعمال جو کسی مبلغ یا معلم کی تبلیغ و تعلیم کے نتیجہ میں لوگ انجام دیں تو اُن سب کا ثواب معلم یا مبلغ کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے۔

2۔ سماعہ کہتی ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: ''یا بن رسولؐ اللہ! اس آیت کی تفسیر کیا ہے؟

''مَنْ قَتَلَ نَفسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَ نَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا''. (سورۂ مائدہ: آیت 32)

''جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بغیر کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اُس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا''۔

آپؑ نے فرمایا: ''اگر کوئی کسی کو گمراہی سے نجات دیدے اور اُس کی ہدایت کرے تو ایسا ہی ہے جیسے اُس نے اُس کو زندہ کر دیا ہو اور اسی طرح اگر کوئی کسی کو ہدایت سے گمراہی کی طرف لے جائے تو ایسے ہی ہے جیسے اُس نے اُس کو قتل کر دیا ہو''۔

اس بنیاد پر کسی ایک فرد کی ہدایت یا کسی ایک فرد کی گمراہی ایسے ہی تصور کی جائے گی جیسے کُل لوگوں کی ہدایت یا کُل لوگوں کی گمراہی۔ جیسے خدا نے فرمایا کہ ایک فرد کا قتل یا ایک فرد کا زندہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے پوری انسانیت کا قتل یا پوری انسانیت کا زندہ کرنا۔

3۔ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا کہ جب کوئی مومن اس دنیا سے جاتا ہے تو اُس وقت اُس کے تمام اعمال کا سلسلہ سوائے تین قسم کے اعمال کے منقطع ہو جاتا ہے (جب تک اُن تین اقسام کے اعمال کا اثر قائم رہے گا، اُسے ثواب ملتا رہے گا):

(ا)۔ کارِ خیر کہ جب تک اُس کا اثر قائم رہے، مثلاً تعمیر مسجد، تعمیر حمام، تعمیر پل، تعمیر مدرسہ تعمیر ہسپتال اور اسی طرح کے دوسرے کام۔

(ب)۔ وہ علم جن سے لوگ فائدہ اُٹھاتے رہیں، مثلاً تعلیمِ قرآن، فقہ، تفسیر اور اسی طرح کے دوسرے فائدہ پہنچانے والے کام۔

(ج)۔ نیک اولاد جو اُس شخص کی زندگی کے بعد باقی رہے اور اُس کیلئے دعا کرتی رہے۔

4۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص کسی اچھے کام یا اچھی رسم کی بنیاد رکھے گا، اُسے اُس کا اجر تو ملے ہی گا، اس کے علاوہ دوسرا جو شخص بھی اُس عمل کو بجالائے گا تو بنیاد گزار اُس کے ثواب میں بھی شریک ہوگا، اسی طرح اگر کوئی بُرے کام یا بُری رسم کی بنیاد رکھے گا، اُس کو اُس کا عذاب تو ملے ہی گا، اس کے علاوہ اگر کوئی دوسرا بھی اُس بُرے کام کو بجالائے گا تو بنیاد گزار بھی اُس عذاب میں شریک ہوگا۔

5۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ ایک دن انصار کی عورتوں میں سے ایک عورت میری جدہ صدیقہ کبریٰ جنابِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت میں آئی اور عرض کیا:

''اے دخترِ پیغمبرؐ! میری ماں بہت ضعیف اور کمزور خاتون ہے اور جب وہ نماز پڑھتی ہے تو اُسے نماز میں کچھ شک پیدا ہو جاتے ہیں۔ اُن کے بارے میں سوال کرنے کیلئے اُس نے مجھے آپؑ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپؑ سے اُن

مسائل کے بارے میں پوچھوں''۔

جنابِ سیدہؑ نے فرمایا: ''پوچھو''۔

اُس عورت نے مسئلہ بیان کیا اور اُس کا جواب سنا۔ اُس نے دوسرا مسئلہ پوچھا اور اُس کا جواب بھی سنا۔ تیسری دفعہ سوال کرنے سے اُس نے شرم محسوس کی اور کہا کہ بس اب میں سوال نہیں کروں گی کیونکہ پہلے ہی کافی زحمت دے چکی ہوں۔

اس پر جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ''اے بی بی! تم جتنے چاہو، سوال کرو اور شرم محسوس نہ کرو۔ کیا تم نے دیکھا ہے کہ اگر ایک شخص کسی کے پاس ایک روز کیلئے مزدوری کرے اور اُسے کوئی سخت بوجھ بھی اُٹھانا پڑے، لیکن ایک روز کی مزدوری اُسے ایک لاکھ دینار ملنا ہو تو اُسے اُس بوجھ کی سختی محسوس نہیں ہوگی اور اُسے وہ بوجھ ہلکا لگے گا۔ اس وقت میری حالت بھی ایسی ہی ہے کیونکہ ہر سوال کا جواب جو میں دے رہی ہوں، خدا کے نزدیک اُس کا عظیم اجر ہے اور اُس کی قیمت زمین و آسمان کے درمیان اگر جواہر بھر دیئے جائیں تو اُن سے بھی زیادہ ہے۔ اب بتاؤ کہ زیادہ مسائل کا جواب دینا کیا میرے لئے دشوار یا سخت ہو سکتا ہے؟ میں نے اپنے بابا رسولِ خداؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ شیعہ علماء قیامت کے روز ایسے لباس میں آئیں گے جن کی قدر و قیمت اُن کے علوم سے زیادہ ہوگی یعنی جس کا علم زیادہ ہوگا اور اُس کی ترویج شریعت کیلئے سعی و کوشش زیادہ ہوگی، قیامت کے روز اُس کا لباس اُسی قدر قیمتی ہوگا اور اُن میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جن کے پاس ہزار ہزار نورانی لباس ہوں گے جو اُن کو عطا کئے گئے ہوں گے۔

اُس وقت خدا کی جانب سے منادی ندا دے گا کہ اے آلِ محمدؐ کے یتامیٰ (آلِ محمدؐ کے یتیم سے مراد وہ شخص ہے جو آلِ محمد کو مانتا تو ہو لیکن اپنے جہل کی وجہ سے اپنے امام سے دور ہو اور احکامِ دین و شریعت سے بے بہرہ ہو) پر رحم کھانے والو اور اُن کے کفیل بننے والو اور اسی طرح اُن کو ذلت سے نکالنے والو! یہ سب تمہارے شاگرد ہیں یعنی وہ تمام یتیم جن پر تم نے رحم کھایا تھا اور اُن کو جہل کی ظلمت سے نجات دلوائی تھی، وہ سب تمہارے شاگرد ہیں۔

پس تم آؤ اور اپنے شاگردوں کو اُن کے علوم کے اندازہ کے مطابق خلعتِ نور (نورانی لباس) عطا کرو۔ لہٰذا بہ حکمِ خدا علماء اپنے اُن تمام شاگردوں کو نورانی لباس عطا کریں گے۔ اس کے بعد خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے اپنے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اے میرے فرشتو! ان علماء کو وہ نورانی لباس واپس کرو جو اُنہوں نے آلِ محمدؐ کے یتیموں کو ادا کیے ہیں۔ فرشتے کئی گنا کے برابر اُن علماء کو وہ لباس واپس کر دیں گے"۔

اس کے بعد جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے اُس عورت سے کہا: "اے بی بی! اُس نورانی لباس کا ایک ایک تار اُن تمام اشیاء سے ہزار درجے بہتر ہے جن پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں۔ وہ نورانی لباس کیوں بہتر نہ ہوں کیونکہ دنیاوی لباس اور نعمتیں اکیلی نہیں ہوتیں بلکہ اُن کے ہمراہ پریشانیاں بھی ہوتی ہیں"۔

6۔ کتاب احتجاج از امام حسن عسکری علیہ السلام میں روایت کی گئی ہے جو اُنہوں نے اپنے باپ دادا سے نقل کرتے ہوئے جنابِ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے، اس روایت میں رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ یتیموں میں سب سے بڑا یتیم وہ ہے جو اپنے امام سے دور ہو اور اُس کے فیوض و برکات سے محروم

رہے اور وہ احکامِ شریعت کو نہ جانتا ہو۔

آگاہ رہو کہ جو بھی ہم سے محبت رکھتا ہے اور وہ عالم ہو اور احکامِ شریعت اور آداب و شرائطِ دین کو جانتا ہو، وہ کبھی یتیم نہ ہوگا بلکہ یتیم تو وہ ہے جو ہماری ملاقات سے محروم رہے اور جس کی رسائی ہم تک نہ ہو اور وہ شریعت کے احکام سے جاہل ہو۔

یاد رکھو! جو کوئی تبلیغ کرے اور احکامِ شریعت کی تعلیم دے، وہ جنت میں ہمارے ہمراہ ہوگا اور وہ پیغمبروں کے ہمراہ اعلیٰ علیین میں ہوگا۔

7۔ ایک اور حدیث جو حضرت امام حسن علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے، آپؑ نے فرمایا کہ اُس کی برتری و فضیلت جو آلِ محمدؐ کے یتیموں کا کفیل (یعنی وہ جو جاہل کو جہالت سے نجات دے اور اُن کو احکامِ شریعت کی تعلیم دے) ہو، بہ نسبت معاشی کفیل کے، ایسی ہے جیسے آفتابِ روشن کی نسبت ایک ستارے سے ہے۔

اسی طرح علمائے آلِ محمدؐ کے درجات کی بلندی اُن افراد کی نسبت ہے جو معاشی کفیل ہوتے ہیں۔

8۔ ایک اور بڑی اہم روایت بیان کی گئی ہے کہ کسی سائل نے ہمارے پانچویں امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا: ''مولاؑ! کیا کسی ایسے شخص کی مدد کرنا جو آپؑ کے محبوں میں سے ہے لیکن جسے کوئی منکر خدا اپنے منحرف نظریات اور لغو بحث کے ذریعہ گمراہ کرنا چاہتا ہے، بہتر ہے یا

اُس شخص کی مدد کرنا جسے اہلِ روم نے گرفتار کر کے اسیر بنالیا ہو؟''

اس کے جواب میں امامؑ نے فرمایا: ''پہلے مجھے بتاؤ کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ مومنین میں سے ایک مومن اور ایک چڑیا دونوں غرق ہونے کے قریب ہیں اور

کوئی شخص ایک وقت میں صرف ایک کو نجات دے سکتا ہے تو تمہاری نظر میں پہلے کس کو نجات دلوانا افضل ہے؟''

سائل نے جواب دیا: ''بے شک مومن کو نجات دلوانا افضل ہے''۔

آپؑ نے جواب دیا: ''جو کسی ناصبی (منکر خدا) سے مومن کو نجادت دلائے، حقیقت میں اُس نے اپنے دین کو بھی بچایا اور اپنے آپ کو آتش جہنم سے بھی محفوظ کیا، برخلاف اُس مظلوم شخص کے جو اہلِ روم کا اسیر ہے کیونکہ اگر وہ قتل ہو جائے تو وہ اہلِ بہشت میں سے ہے''۔

یہ تھیں چند مثالیں جن سے تعلیم و تربیت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور آخری مثال تو بالکل واضح ہے۔

تحصیلِ علم کی اہمیت

شاید مذہبِ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب میں علم کی تحصیل پر اتنا زور نہ دیا گیا ہو جتنا مذہبِ اسلام میں دیا گیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں امکانات موجود ہوں، یہ واجب ہونے کے عین نزدیک ہے۔

1۔ اس کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

آپؑ نے فرمایا کہ میں اپنے اصحاب (اگر وہ علم دین حاصل کرنے کیلئے تیار نہ ہوں) پر تازیانہ مارنے کیلئے بھی تیار ہوں تا کہ وہ اپنے دین کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

امامؑ کے اس فرمان سے ایک تو تحصیلِ علم کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور دوسرے اس کے واجبِ عینی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

2۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی علمِ دین حاصل کرنے کیلئے

ایک گھنٹہ کی زحمت برداشت نہیں کرتا تو وہ ہمیشہ جہل کی ذلت برداشت کرے۔

3۔ ایک اور جگہ پر رسولِ خداؐ نے فرمایا:

"اُطلُبُو العِلمَ وَلَو کَانَ بِالصِّین"

"علم حاصل کرو، بے شک اس کیلئے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اس حدیث کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تحصیلِ علم سے خودشناسی (انسان کی تخلیق کی غرض و غایت، انسان کی ابتداء، انسان کی انتہا، مقصدِ حیات) ہے اور خودشناسی ہی میں خداشناسی چھپی ہوئی ہے۔

4۔ امام محمد باقر علیہ السلام اپنے جد بزرگوار پیغمبرؐ خدا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرتِ رسولِ خداؐ نے فرمایا:

"لَو کَانَ العِلمُ مَنُوطاً بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَهُ رِجَالٌ مِنْ فَارِسْ"۔

"اگر تحصیلِ علم کرۂ آسمانی پر جانے میں منحصر ہو تو اہلِ فارس وہاں جانے والوں میں ہوں گے"۔

اس حدیث سے تحصیلِ علم کی اہمیت اور اہلِ فارس کی تحصیلِ علم سے محبت ظاہر ہوتی ہے۔

5۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میری نظر میں علم کے ایک باب کی تعلیم ایسی ہزار رکعت نماز سے، جو خضوع و خشوع سے پڑھی جائے، افضل ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب کسی کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ تحصیلِ علم میں مشغول

ہوتو وہ شہادت کی موت مرا۔

تحصیلِ علم کا ثواب

جیسا کہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ بارگاہِ ایزدی میں طالب علم کیلئے کیا ثواب مقرر ہے۔ اس سلسلہ میں روایات واحادیث موجود ہیں جن میں چند ایک کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔

1۔ رسولِ خدا کا ارشاد ہے کہ جو کوئی علم کے حصول کیلئے گھر سے نکلتا ہے، خداوند تعالیٰ اُسے بہشت کی راہ پر ڈال دیتا ہے اور فرشتے اُس کے پاؤں کے نیچے بڑے فخر سے اپنے پَر پھیلا دیتے ہیں تا کہ وہ اُن پر چلے (اُن پر ہی بیٹھے) اور تمام اہلِ زمین اور اہلِ آسمان اور تمام دریاؤں اور سمندروں کی مچھلیوں تک اُس طالب علم کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اگر ایک عالم کے اور ایک عابد کے مرتبوں کا موازنہ کیا جائے تو ایسے ہے جیسے چودھویں کے چاند کا موازنہ ستارے سے کیا جائے۔ اس کے علاوہ علماء پیغمبروں کے وارث ہیں کیونکہ پیغمبروں نے اپنے پیچھے مال ودولت یا زروجواہر نہیں چھوڑے بلکہ اُنہوں نے اپنے پیچھے علم ودانش اور حکمت چھوڑی ہے اور جو شخص اُن کے علم ودانش کو حاصل کرتا ہے، وہ اُس سے کثیر فائدہ اُٹھاتا ہے۔

2۔ ایک دوسری حدیث جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب تعلیمی جماعت ختم ہو جاتی ہے اور اُستاد اور شاگرد اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے ہیں تو خداوند تعالیٰ فرشتوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو! جو تم نے میرے بندوں سے مشاہدہ کیا ہے، وہ لکھو اور اُن کا ثواب بھی لکھو۔ اس حکم پر فرشتے اُن کے اعمال لکھتے ہیں اور اُن کا ثواب بھی تحریر کرتے

ہیں۔لیکن فرشتے کچھ افراد کے نام نہیں لکھتے باوجودیکہ وہ بھی درس میں شریک تھے۔ پروردگار کی طرف سے فرشتوں سے سوال ہوتا ہے کہ اے میرے فرشتو! تم نے چند ایک کے نام نہیں لکھے، حالانکہ وہ بھی درس میں شامل تھے۔

فرشتے کہتے ہیں: پروردگارا! یہ وہ اشخاص تھے جو طالب علم نہیں تھے اور اُنہوں نے جماعت میں کوئی گفتگو بھی نہیں کی۔

خداوند تعالیٰ کی طرف سے پھر سوال ہوتا ہے کہ بتاؤ کیا یہ اُن طالب علموں کے ساتھ نہ بیٹھے تھے؟

فرشتے جواب دیتے ہیں: پروردگارا! کیوں نہیں، یہ بیٹھے تو تھے۔

پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے نام بھی اُن طالب علموں کے ساتھ لکھ دو (یعنی ان کے ساتھ بیٹھنے والوں کو بھی وہی اجر وثواب ملے گا جو باقی طالب علموں کو ملا، بے شک اُنہوں نے کوئی کلمہ بھی نہیں بولا) کیونکہ یہ طالب علم (جو مجلس مذاکرہ وعلم میں بیٹھے تھے) ایسے افراد ہوں گے (جن کی قدر ومنزلت اتنی ہوگی) کہ اُن کے پاس بیٹھنے والے بھی محروم نہیں رہیں گے۔

پس فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ساتھ بیٹھنے والوں کے نامۂ اعمال میں بھی طالب علموں کے برابر ثواب لکھ دیتے ہیں۔

اس حدیث سے دینی طالب علموں کے مقام اور عظمت کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کا علم پڑھنے والوں پر کتنا مہربان ہے کہ اُن کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی عظیم اجر وثواب سے نواز دیتا ہے۔

اُستاد اور شاگرد کے حقوق

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اُستاد کے شاگردوں پر کیا حقوق ہیں اور شاگردوں کیلئے

اُستاد پر کیا واجبات ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُستاد اور شاگرد دونوں کے فرائض بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''لَيِّنُوا لِمَنْ تعلَّمُونَ وَتتعلَّمُونَ مِنهُ''

''اُستاد اور شاگرد دونوں پر نرمی و ملائمت لازم ہے''۔

پس اگر کوئی اُستاد ہے تو اُسے چاہئے کہ اپنے شاگرد طالب علموں سے نرمی سے پیش آئے اور اگر کوئی طالب علم ہے تو اُسے بھی چاہئے کہ اپنے اُستاد سے بہت احترام و ملائمت سے پیش آئے۔ مختصراً ہر دو پر ایک دوسرے کا احترام اور نرم سلوک واجب ہے۔

اُستاد کا حق طالب علم پر

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو کوئی مسئلہ سمجھائے تو وہ (ایسے ہی ہے) اُس کا مالک بن جاتا ہے۔ پوچھا گیا:

''یا رسولؐ اللہ! کیا وہ (مسئلہ بتانے والا) دوسرے شخص کو بیچ سکتا ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''نہیں! لیکن وہ اُسے حکم (امر و نہی) دے سکتا ہے''۔

اس حدیث سے اُستاد کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ شاگرد اُس کے سامنے ایک خدمت گزار کی طرح ہے۔

اسی وجہ سے مولا امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مجھے صرف ایک حرف بھی بتائے تو ایسے ہی ہے جیسے اُس نے مجھے اپنا بندہ بنالیا ہو۔

ایک اور جگہ امیر المؤمنین علیہ السلام شاگرد (طالب علم) پر اپنے اُستاد (عالم) کے احترام کیلئے جو چیزیں لازم ہیں، بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

☆ شاگرد پر واجب ہے کہ وہ اپنے اُستاد سے بہت زیادہ سوال و جواب نہ کرے۔

☆ جو جواب دے، اُس پر قبل از وقت اپنے فیصلے نہ سنائے۔

☆ اگر اُستاد کسی سوال کا جواب نہ دے تو اُس پر اصرار نہ کرے یعنی اگر اُستاد کسی وقت سوال وٗ جواب کیلئے تیار نہ ہو تو شاگرد اُسے بار بار درخواست کر کے شرمندہ نہ کرے۔

☆ اپنی انگلی کے اشارہ سے اُستاد کو مخاطب نہ کرے۔

☆ اپنی آنکھوں کے اشارہ سے اُستاد کو متوجہ نہ کرے۔

☆ اُستاد کی موجودگی میں کسی دوسرے سے گفتگو یا مشورہ نہ کرے۔

☆ اپنے اُستاد کو پشت سے آواز نہ دے۔

☆ جب اُستاد کوئی مسئلہ بیان کرے تو اُس وقت یہ نہ کہے کہ فلاں تو اس مسئلہ کے بارے میں یہ کہتا ہے!

☆ اُستاد کے رازوں کو افشاء نہ کرے (اُس کے سامنے یا اُس کی عدم موجودگی میں)

☆ اُستاد کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرے۔

☆ جب سب کو عمومی سلام کرے تو اُس وقت بھی اُستاد کو خصوصاً سلام کرے۔

☆ جب بیٹھے تو اُس کے سامنے ادب سے بیٹھے تاکہ اگر اُستاد کو کوئی کام ہو تو اُس کو فوراً بجالائے۔ اُستاد کے کام کو باقی سب کاموں پر فوقیت دے۔

☆ کسی وقت بھی اُس کی طولانی گفتگو پر تھکن کا اظہار نہ کرے کیونکہ اُستاد کی مثال کھجور کے درخت کی سی ہے، منتظر رہے کہ کب کوئی خرما پک کر گرتا ہے، پس اُستاد کے سامنے انتظار میں رہے کہ کب فیض ہوتا ہے۔

اگر بیان شدہ کیفیات حاصل ہو جائیں تو عالم اور معلم دونوں روزہ دار اور مجاہد فی

سبیل اللہ تصور ہوں گے۔ عالم اور دانشمند کی قدر ومنزلت کا تو بس اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو شیطان بہت خوشی مناتا ہے کیونکہ اس سے عالمِ اسلام کو جو نقصان پہنچتا ہے، اُس کا قیامت تک ازالہ نہیں کیا جاسکتا۔

جب طالب علم گھر سے تحصیلِ علم کیلئے نکلتا ہے تو اُس کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں جو اپنے پروں کو اُس کے پاؤں کے نیچے بچھاتے ہیں۔

لٰہذا یہ روایت اُستاد اور شاگرد کیلئے ہے لیکن ''اصولِ کافی'' میں یہی روایت معمولی سے الفاظ کی تبدیلی سے عالم کی ہم نشینی کیلئے آئی ہے۔ ان کا آپس میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر عالم مدرّس نہ بھی ہو، پھر بھی معلم اخلاق وآداب ہے اور حلال وحرام کا بتانے والا بھی ہے۔ پس لوگوں کو چاہئے کہ جب کسی عالم کی مجلس میں بیٹھیں تو خود کو شاگرد سمجھیں اور عالم کو اُستاد سمجھیں اور جو آدابِ اُستاد بیان ہو چکے ہیں، اُن کا خیال رکھیں۔

متفرقات

پیغمبرِ اسلام نے ارشاد فرمایا:

''لَاخَیْرَ فِی الْعَیْشِ اِلَّا لِرَجُلَیْنِ: عَالِمٌ مُطَاعٌ وَ مُسْتَمِعٌ وَاعٌ''

''زندگی میں کوئی خوشی (بھلائی) نہیں مگر دو قسم کے افراد کیلئے، پہلا وہ دانشمند یا عالم جس کی بات سنی جائے اور دوسرے وہ افراد جو اِن نیک اور اچھی باتوں کو سن کر عمل کریں۔

تلاشِ علم

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اَلْعِلْمُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ".

"علم مومن کی گمشدہ چیز ہے"۔

نیز پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا:

"اَلْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ یَأْخُذُ هَا حَیْثُ وَجَدَ".

"حکمت و دانش مؤمن کی گمشدہ چیز ہے، جہاں سے ملے، وہ اُسے پالے"۔

تحصیلِ علم کا ثواب

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"اَلْعَالِمُ وَالْمُتَعَلِّمُ شَرِیکَانِ فِی الاَجرِ. لِلعَالِمِ اَجرَانِ وَلِلمُتَعَلِّمِ اَجرٌ وَلاخَیرَ فِی سِویٰ ذَلِکَ"

"عالم اور متعلم دونوں اجر میں شریک ہیں۔ عالم کیلئے متعلم کی نسبت دو برابر اجر ہیں، ان دو کے علاوہ کوئی اور چیز بہتر نہیں"۔

اُستاد اور شاگرد دونوں خدا کی بارگاہ میں اجرِ عظیم کے مستحق ہیں لیکن فرق صرف یہ ہے کہ اُستاد کا اجر شاگرد سے دوگنا ہے اور کوئی بھی چیز اس سے بہتر نہیں کہ انسان یا تو اُستاد ہو یا شاگرد۔

لوگوں کو ہدایت کرنے کی اہمیت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"لِاَنْ یَهْدِاللّٰهُ بِکَ رَجُلاً وَاحداً خَیرًا لَکَ مِنَ الدُّنیَا وَمَافِیهَا".

''اگر اللہ تعالیٰ تیرے وسیلہ سے کسی ایک انسان کو بھی ہدایت کر دے تو یہ تیرے لئے اُس سے بہتر ہے جو کچھ دنیا میں ہے''۔

عظمتِ عالم

پیغمبر اسلامؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

''نَوْمٌ مَعَ عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ صَلوٰةٍ مَعَ جَهْلٍ''.

''عالم کا سونا جاہل کی نماز سے بہتر ہے''۔

کم از کم علم دوست رہیے

پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا:

''اُغْدُ عَالِماً اَوْمتعلّماً اَوْ مُسْتَمِعاً اَوْ مُحِبّاً لَهُمْ وَلا تكُنِ الْخَامِسُ فتهْلَكُ''

''ہر دن کا آغاز اس طرح کرو کہ یا تم عالم ہو یا طالب علم یا (علمی مسائل کو) سننے والے یا (کم از کم) اُن سے محبت کرنے والے۔ان کے علاوہ پانچویں نہ بننا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے''۔

ساتھی کی صفات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اَلْجُلَسَاءُ ثَلا ثَةٌ: جَلِيسٌ تَسْتَفِيدُ مِنْهُ فَالْزِمْهُ وَجَلِيسٌ تُفِيدُهُ فَاَكْرِمْهُ وَجَلِيسٌ لَا تُفِيدُ وَلَا تَسْتَفِيدُ مِنهُ، فَاهْرِبْ عَنْهُ''.

’’تیرے ہم نشین (ساتھی) تین قسم کے ہیں: پہلی قسم تو اُن سے فائدہ (علمی) حاصل کرتا ہے، پس تو اُن کے ساتھ رہ۔ دوسری قسم، تیرے ساتھی تجھ سے (علمی) فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اس صورت میں تو اُن کا احترام کر۔ تیسری قسم، ایسے ساتھی اور ہم نشین ہیں جو نہ تجھ سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور نہ تو اُن سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ پس تجھے چاہئے کہ ایسے ساتھیوں سے فرار حاصل کرے‘‘۔

لازمی تعلیم

اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ اُنہوں نے فرمایا:

’’لَیتَ السِّیاطُ علیٰ رُؤُسِ اَصحابِی حَتّیٰ یَتَفَقَّهُوا فِی الحَلالِ وَالحَرامِ‘‘.

’’کاش میرے اصحاب کے سروں پر کوڑے لٹکتے ہوتے اور میں اُن کو زبردستی حلال وحرام بتاتا، یہاں تک کہ وہ اسے سمجھ جاتے‘‘۔

شیطان اور ایک عالم کی موت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

’’مَامِن اَحَدٍ یَمُوتُ مِنَ المُؤمِنِینَ اَحَبُّ اِلیٰ اِبلِیسَ مِن مَوتِ الفَقِیهِ‘‘.

’’کسی بھی مومن کی موت شیطان کو اتنی خوشی نہیں دیتی جتنی ایک عالم ودانشمند فقیہہ کی موت‘‘۔

حضرت علی علیہ السلام کا فرمان

ایک شخص نے حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے ایک ٹیڑھا سوال کیا تو آپؑ نے اُس کے جواب میں فرمایا:

"سَل تَفَقُّهاً وَلَا تَسْئَل تَعَنُّتاً".

"سمجھنے کیلئے سوال کرو، اُلجھانے کیلئے سوال نہ کرو"۔

مثل مشہور ہے کہ اگر تم نہیں جانتے تو سوال کرو۔ کسی کے امتحان کی غرض سے سوال نہ کرو۔

ایک اور جگہ پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"اَلعِلمُ فی الصِّغَرِ کَالنَقشِ فِی الحَجَرِ".

"بچپن کا حاصل کیا ہوا علم ایسے ہے جیسے پتھر پر نقش"۔

شفاعتِ علماء

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ثَلاثُونَ یَشْفَعُونَ اِلَی اللّٰهِ یَومَ القِیَامَةِ فَیَشْفَعُهُمْ: اَلاَنْبِیَاءُ ثُمَّ العُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ".

"قیامت کے روز تین گروہ خدا کے حضور لوگوں کی شفاعت کریں گے:

۱۔ انبیاء ۲۔ علماء ۳۔ شہداء"۔

قیامت میں عالم کے کام کی اہمیت

پیغمبرِ اسلام نے فرمایا:

"اِذَا کَانَ یَومُ الْقِیَامَۃِ وُزِنَ مِدَادُ العُلَمَاءِ بِدِمَاءِ الشُّھَدَاءِ فَیُرجَحُ مِدَادُالعُلَمَاءِ عَلٰی دِمَاءِ الشُّھَدَاءِ".

''قیامت کے دن علماء (کے قلموں) کی سیاہی کو خونِ شہداء سے تولا جائے گا، پھر بھی علماء کے قلموں کی سیاہی خونِ شہداء پر بھاری ہوگی''۔

تشریح

علماء جس سیاہی سے قرآن کی تفاسیر، فقہ اسلامی اور دیگر اسلامی کتابیں تحریر کرتے ہیں، خدا کی نظر میں وہ شہداء کے خون سے بھی افضل ہے۔اسی واسطے جب قیامت کے روز خونِ شہداء سے اس کا وزن کیا جائے گا تو یہ سیاہی بھاری رہے گی۔اس سے عظمتِ علماء بتانا بھی مقصود ہے۔

عالم اور عابد کا موازنہ

پیغمبرؐ خدا نے ارشاد فرمایا:

"عَالِمُ یُنْتَفَعُ بِعِلْمِهٖ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ عَابِدٍ".

''ایسا عالم جس کے علم سے لوگ فائدہ اُٹھائیں، اُس عالم کا علم ستر ہزار عابدوں کی عبادت سے افضل ہے''۔

زکوٰۃِ علم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"زَکَاۃُ الْعِلْمِ تَعْلِیْمُہٗ مَنْ لَا یَعْلِمُہٗ".

"علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ جونہیں جانتے، اُن کو تعلیم دی جائے"۔

علماء ہدایت کے چراغ ہیں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اِنَّ مِثْلَ الْعُلَمَاءِ فِی الْاَرْضِ کَمَثَلِ النُّجُومِ فِی السَّمَاءِ یَھْتَدِی بِھَا فِی ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحرِ. فَاِذَاطَمَسَتْ أوْشَکَ أنْ تَضِلَّ الْھُدَاۃ".

"بے شک علماء زمین پر ایسے ہی ہیں جیسے ستارے آسمان پر۔ لوگ ان سے اندھیروں، صحراؤں، دریاؤں اور سمندروں میں رہنمائی لیتے ہیں اور جب یہ ستارے غروب ہو جاتے ہیں تو لوگوں کی گمراہی کا احتمال بڑھ جاتا ہے"۔

عالمِ بے عمل

پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"مَثَلُ الَّذِی یَعْلَمُ الْخَیْرَ وَلَا یَعْمَلُ بِہٖ مَثَلُ السَّرَاجِ یُضِیئُ لِلنَّاسَ وَیَحرُقُ نَفْسَہٗ".

"وہ انسان (عالم) جو اعمالِ نیک و صالح کو جانتا ہے لیکن اُس پر عمل نہیں کرتا، اُس کی مثال اُس چراغ کی سی ہے جو دوسروں کو روشنی دیتا ہے لیکن خود جل جاتا ہے"۔

صرف خوشنودیٔ خدا کیلئے احترام کرو

اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت

میں عرض کیا:

"مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهٖ تَعْظِيْماً لِرَجُلٍ؟"

"جوشخص کسی مجلس میں بیٹھا ہو، اگر کسی کی تعظیم کیلئے اُٹھے (اُس کے بارے میں کیا حکم ہے؟)"

امام علیہ السلام نے جواب دیا:

"مَكْرُوْهٌ اِلَّا لِرَجُلٍ فِى الدِّيْن".

"مکروہ ہے سوائے اُس شخص کے جو نظریۂ دین کے تحت اُٹھے"۔

تحصیلِ علم کیلئے خوشامد

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَيْسَ مِنْ اَخْلَاقِ الْمُؤمِنِ الْمَلِقَ اِلَّا فِى طَلَبِ الْعِلْمِ".

"چاپلوسی اور خوشامد اخلاقِ مومن نہیں سوائے تحصیلِ علم کے"۔

یعنی مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی کی خوشامد اور چاپلوسی کرے سوائے اس کے کہ اُس کا مقصد علم کا حصول ہو۔ صرف اس صورت میں اُس کی سرزنش نہیں ہوگی۔

فرمانِ امامؑ

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"اِنَّ فِىْ اَخْبَارِنَا مُتَشَابِهاً كَمُتَشَابِهَاتِ الْقرآن وَمُحْكَماً كَمُحْكَمِ الْقُرْآن فَرُدُّوْا مُتَشَابِهَا اِلٰى

مُحکَمِهَا وَلَا تَتَّبِعُوا دُونَ مُحکَمِهَا فَتَضِلُّوا".

"ہماری روایات میں بھی متشابہات ہیں جیسے قرآن کی متشابہ آیات ہیں اور ہماری روایات میں بھی محکمات ہیں جیسے قرآن میں محکم آیات ہیں۔ پس متشابہات پر بغیر محکم روایات کے عمل نہ کرو وگرنہ گمراہ ہو جاؤ گے"۔

روایاتِ امام کا افشاء کرنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"لَیْسَ مِنَّا مَنْ اَذَاعَ حَدِیْثَنَا فَاِنَّهُ قَتَلَنَا قَتْلَ عَمْدٍ لَا قَتْلَ خَطَاءٍ".

"وہ ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے رازوں کو نااہلوں کے سامنے ظاہر کیا۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو گویا اُس نے ہم کو عمداً قتل کیا، خطا سے نہیں"۔

خدائی وعدہ

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"مَا اَخَذَ اللّٰهُ عَلَی الْجُهَّالِ اَنْ یَتَعَلَّمُوْا حَتّٰی اَخَذَ عَلَی الْعُلَمَاءِ اَنْ یُعَلِّمُوْا".

"اللہ تعالیٰ نے جاہلوں سے حصولِ تعلیم کیلئے وعدہ اُس وقت تک نہیں لیا جب تک کہ علماء سے اُن کو تعلیم دینے کا وعدہ نہ لے لیا"۔

اختیارِ حکمت اور نااہل افراد

"پیغمبرِ اسلام نے فرمایا:

''لَا تُؤتُوا الحِکْمَةَ غَیرَ اَهلِهَا فَتَظلِمُوهَا،وَلَا تَمنَعُوهَا اَهلِهَا فَتَظلِمُوهُم''.

''حکمت کو نااہل افراد کے سپرد مت کرو کہ اس صورت میں حکمت (دانائی) پر ظلم کرو گے اور اس کے اہل سے دریغ نہ کرو، اس صورت میں اُن پر ظلم کرو گے''۔

تشریح

فرمانِ پیغمبرؐ کے مطابق کبھی نااہل افراد کو اُس جگہ نہ بٹھائیں جہاں صرف حکمت و دانائی والے افراد ہی کام کر سکتے ہوں۔ اگر ایسا کیا گیا تو مذہب کے ساتھ زیادتی ہوگی اور کبھی اہل افراد کو اُس منصب سے دور نہ کرو جس کے وہ لائق ہیں، اس صورت میں اہل افراد کے ساتھ ظلم ہوگا۔

مفید علم کو چھپانے کی سزا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ کَتَمَ عِلْماً نَافِعاً اَلْجَمَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ''.

''جس نے مفید علم (جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہو) کو چھپایا، قیامت کے روز اللہ اُسے آگ کی لگام سے سزا دے گا''۔

شکرِ علم

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

''شُکْرُ الْعَالِمِ عَلٰی عِلْمِهٖ اَنْ یَبْذِلَهٗ لِمَنْ

يَسْتَحِقُّهُ".

"ایک عالم کا اپنے علم پر شکریہ ادا کرنا یہ ہے کہ وہ جاہلوں کو علم سکھائے"۔

علم بھی زہریلا ہوسکتا ہے

ایک شخص نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟

"فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلٰى طَعَامِهِ".

"انسان کو اپنے طعام میں دقت کرنی چاہئے"۔

امامؑ نے جواب دیا کہ یہاں طعام سے مراد علم ہے اور فرمایا:

"عِلْمُهُ الَّذِىْ يَأْ خُذُهُ مِمَّنْ يَأْخُذُهُ".

"وہ علم جو انسان حاصل کر رہا ہے، اُسے دیکھنا چاہئے کہ وہ کس سے حاصل کر رہا ہے"۔

جیسے انسان غذا کھاتے وقت محتاط ہوتا ہے، اسی طرح علم حاصل کرتے وقت، جو روح کی غذا ہے، انسان کو احتیاط کرنی چاہئے کہ وہ کس سے علم حاصل کر رہا ہے۔

دو چیزیں دو اشخاص سے بعید ہیں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"غَرِيْبَتَانِ: كَلِمَةُ حِكَمٍ مِنْ سَفِيْهٍ فَاقْبِلُوْهَا وَكَلِمَةُ سَفِهٍ مِنْ حَكِيْمٍ فَاغْفِرُوْهَا".

"دو چیزیں عجیب ہیں، پہلی کسی نادان اور جاہل سے دانائی وحکمت کی بات اور

اگر ایسا سنو تو اُسے قبول کرلو۔ دوسری کسی عاقل و دانا سے بیوقوفی کی بات اور اگر ایسا سنو تو اُسے معاف کردو (اور اس کو آگے ہرگز نہ پھیلاؤ)'' بحار، جلد 2، صفحہ 96۔

حکمت کی اہمیت

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

''خُذُو الْحِکْمَةَ وَلَو مِنَ الْمُشْرِکِیْن''.

''حکمت کو حاصل کرو، اگرچہ مشرکین ہی سے کیوں نہ ملے'' بحار، ج 2، ص 97

ایک اور جگہ آپؑ نے فرمایا: (بحار، جلد 2، صفحہ 99):

خُذُو الْحِکْمَةَ أنّٰی کَانَتْ، فَاِنَّ الْحِکْمَةَ تکُونُ فِی صَدرِ الْمُنَافِقِ فَتَتَخَلَّجُ فِی صَدرِهٖ حَتّٰی تَخْرُجَ فَتَسْکُنَ اِلٰی صَوَاحِبِهَا فِی صَدْرِ الْمُؤمِن.

''حکمت (دانائی) جہاں سے ملے، حاصل کرو۔ ممکن ہے حکمت منافق کے سینہ میں ہو (جہاں اُسے آرام نہیں) اور تلاش میں ہو کہ وہاں سے نکل کر اپنے اصلی صاحب یعنی سینۂ مومن میں چلی جائے اور وہاں قرار حاصل کرے''۔

صحیح اعتقاد وایمان کو پہچانئے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ دَخَلَ فِیْ هَذَاالدِّیْنِ بِالرِّجَالِ، اَخْرَجَهُ مِنْهُ الرِّجَالَ کَمَا أَدْخَلُوْهُ فِیْهِ وَمَنْ دَخَلَ فِیْهِ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ زَالَتِ الْجِبَالُ قَبْلَ أن یَزُوْلَ''.

’’جو شخص دین اسلام میں اس طرح داخل ہوا کہ اُس نے اعتقادات اور ایمان لوگوں سے لیا تو وہی لوگ اُسے دین وایمان سے خارج بھی کردیں گے اور جو کوئی دین میں قرآن وسنت (پر تحقیق) سے داخل ہوا تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اس سے قبل کہ وہ دین سے خارج ہو‘‘۔

عقلمند کون؟

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا گیا:

’’سُئِلَ اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَام، مَنْ اَعْلَمُ النَّاس؟ قَالَ مَنْ جَمَعَ عِلْمَ النّاسِ اِلٰی عِلْمِہٖ‘‘.

’’مولا! یہ بتائیں کہ سب سے زیادہ عقلمند شخص کون ہے؟ علی علیہ السلام نے جواب دیا: وہ شخص جو اپنے علم و دانش میں دوسروں کے علم و دانش سے اضافہ کرے‘‘ (بحار، جلد 2، صفحہ 97)۔

جاہل، عالم کے روپ میں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’مَنْ قَالَ اَنَا عَالِمٌ فَھُوَ جَاھِلٌ‘‘. (بحار: ج2، ص97)۔

’’جو شخص یہ کہے کہ میں عالم ہوں، حقیقت میں وہ جاہل ہے‘‘۔

نہ جاننا باعثِ شرمندگی نہیں

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

’’لَا یَسْتَحِیْ الْعَالِمُ اِذَ سُئِلَ عَمَّالَا یَعْلَمُ اَنْ

يَقُوْلُ: لَا عِلْمَ لِيْ بِهٖ"۔

"اگر کسی عالم سے سوال کیا جائے جو وہ نہ جانتا ہو تو اُسے یہ کہنے میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہیۓ کہ "میں نہیں جانتا" یعنی بغیر کسی شرمندگی کے اُس کو کہہ دینا چاہیۓ کہ میں اس مسئلہ کو نہیں جانتا"۔(بحار، جلد 2، صفحہ 119)۔

دین میں قیاس باعثِ ہلاکت ہے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ عَمَلَ بِالْمَقَائِيْسِ فَقَدْ هَلَكَ وَاَهْلَكَ وَأَفْتَى النَّاسَ وَهُوَلَا يَعْلَمُ النَّاسِخَ مِنْ مَنْسُوْخٍ وَالْمُحكَمَ مِنَ الْمُتَشَابِهِ فَقَدْ هَلَكَ وَاَهْلَكَ"۔

"جس کسی نے (دین میں) قیاس پر عمل کیا، حقیقت میں وہ خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا اور جس کسی نے لوگوں کیلئے فتویٰ دیا جبکہ وہ (قرآن کی) ناسخ اور منسوخ، متشابہ اور محکم آیات کو نہ جانتا ہو تو اُس نے گویا خود کو ہلاک کیا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا"۔(بحار، جلد 2، صفحہ 121)۔

تواضع کی علامات

حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے جد بزرگوار کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں:

"اِنَّ مِنَ التَّوَاضُعِ أَنْ يَرضىٰ الرَّجُلُ بِالْمَجْلِسِ دُونَ الْمَجلِسِ وَأن يُسَلِّمَ عَلٰى مَن يَلْقٰى، وَاَنْ يَترُكَ الْمِرَاءَ وَ اِن كَانَ مُحَقّاً وَلَا يُحِبُّ أن

یَحْمِدَ عَلَی التَّقْوَا". (بحار: ج2،ص132)۔

"انسان میں تواضع کی علامات یہ ہیں:

1۔ مجلس میں اُسے جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھنے پر راضی ہو۔

2۔ لوگوں سے ملاقات پر سلام کرنے میں پہل کرے۔

3۔ لوگوں سے گفتگو کے دوران (بے فائدہ) بحث ومباحثہ کو ترک کردے، بیشک وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔

4۔ اگر لوگ اُس کے تقویٰ پر اُس کی تعریف کریں تو وہ خوش نہ ہو"۔

پیغمبرؐ کے جانشین

"پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِی ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. قِیْلَ لَهُ یَارَسُوْلَ اللّٰہ وَمَنْ خُلَفَائُکَ؟ قَالَ الَّذِیْنَ یَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ وَیَرْوُنَ اَحَادِیْثِیْ وَسُنَّتِی فَیُسَلِّمُوْنَھَا النَّاسَ مِنْ بَعْدِیْ".

"خدایا! میرے جانشینوں پر رحم فرما۔ اس کو تین مرتبہ فرمایا۔ پوچھا گیا: یا رسولؐ اللہ! آپؐ کے جانشین کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میرے جانشین وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور میری سنت اور احادیث کو لوگوں میں زندہ کریں گے اور بعد میں آنے والی نسلوں میں منتقل کریں گے" (بحار، جلد2، صفحہ 144)۔

درس کی حفاظت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''قَیِّدُوا العِلْمَ،قَالَ وَمَا تَقیِیدُہُ قَال: کِتَابَتُہُ''.

''اپنے علوم (دروس کی حفاظت) کو محکم کرو۔ پوچھا گیا کہ یارسولؐ اللہ! ہم اپنے علوم کو کیسے محکم کریں؟ تو آپؐ نے فرمایا: اُن کو لکھ کر'' (بحار، جلد 2، صفحہ 152)۔

چالیس احادیث کو یاد کرو

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا:

''مَنْ حَفِظَ مِنْ اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثاً مِمَّا یَحتَاجُوْنَ اِلَیْہِ مِنْ اَمْرِ دِیْنِھِمْ بَعَثَہُ اللّٰہُ یَومَ القِیَامَۃِ فَقِیْھاً عَالِماً''.

''جو کوئی میری اُمت سے اُن چالیس احادیث کو یاد کرے جو اُس کے دینی اُمور میں مفید ہوں اور اُس کو اُن کی احتیاج ہو تو اللہ اُسے قیامت کے روز عالم وفقیہ محشور کرے گا'' (بحار، جلد 2، صفحہ 153)۔

فرمانِ امامؑ فرمانِ رسولؐ ہے

ہشام بن سالم اور حماد بن عثمان اور بہت سے دوسروں نے روایت کی ہے کہ ہم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا:

''حَدِیثِی حَدِیثُ اَبِی وَ حَدِیثُ أَبِی حَدِیثُ جَدِّی وَحَدِیثُ جَدِّی حَدِیثُ الحُسَینِ

وَحَدِیثُ الحُسَینِ حَدِیثُ الحَسَنِ وَحَدِیثُ الحَسَنِ حَدِیثُ اَمِیرِالمُؤمِنِینَ وَحَدِیثُ اَمِیرِ المُؤمِنِینَ حَدِیثُ رَسُولِ اللّٰهِ وَحَدِیثُ رَسُولِ اللّٰهِ قَولَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ".

"میرا قول میرے والد بزرگوار کا قول ہے، میرے والد بزرگوار کا قول میرے جد بزرگوار (امام حسینؑ) کا قول، میرے جد بزرگوار امام حسینؑ کا قول امام حسنؑ کا قول، امام حسنؑ کا قول امام علی علیہ السلام کا قول، امام علی علیہ السلام کا قول پیغمبرؐ خدا کا قول اور پیغمبرؐ خدا کا قول اللہ تعالیٰ کا قول ہے"۔ (بحار، جلد 2، صفحہ 179)۔

بے عمل عالم کا قول بھی بے ثمر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اِنَّ الْعَالِمَ اِذَالَمْ یَعْمَلْ بِعِلْمِهٖ ذَلَّتْ مَوعِظَتُهٗ عَنِ الْقُلُوْبِ كَمَا یَزِلُّ الْمَطَرُ عَنِ الصَّفَا".

"جب عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو اُس وقت اُس کے وعظ و نصیحت لوگوں کے دلوں سے ایسے بے اثر ہوجاتے ہیں جیسے بارش پتھر پر بے اثر ہوتی ہے" (محجة البیضاء جلد 1، صفحہ 127)۔

ایک عالم کی موت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَوتُ قَبِیْلَةٍ أَیْسَرُمِنْ مَوْتِ عَالِمٍ".

''ایک پورے قبیلہ کی موت، ایک عالم کی موت کے سامنے کچھ بھی نہیں''۔(محجة البیضاء جلد1 ،صفحہ 14)۔

فرشتوں کا نزول

ابوبصیر، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا کہ خدا کے اس ارشاد:

''اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَااللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡھِمُ الۡمَلَا ئِکَةُ.''

''بے شک جن لوگوں نے یہ کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے، اُن پر فرشتے نازل ہوں گے''۔(سورہٴ حٰم سجدہ: آیت 30)

سے مراد یہ ہیں:

''ھُمُ الۡأَئِمةُ وَیَجۡرِیۡ فِیۡمَنۡ اِسۡتَقَامَ مِنۡ شِیۡعَتِنَا وَسَلَّمَ لِاَمۡرِنَا وَکَتَمَ حَدِیۡثَنَا عِنۡدَ عَدُوِّنَا فَتَسۡتَقۡبِلَھُمُ الۡمَلَا ئِکَةُ بِالۡبُشۡریٰ مِنَ اللّٰہِ بِالۡجَنَّةِ وَقَدۡ مَضٰی وَاللّٰہِ اَقۡوَامٌ کَانُوۡاعَلٰی مِثۡلِ مَااَنۡتُمۡ عَلَیۡہِ مِنَ الدِّیۡنِ فَاسۡتَقَامُوۡا وَسَلِّمُوا لِاَمۡرِنَا وَ کَتَمُواحَدِیۡثَنَا،وَلَم یَذۡبَعُوۡہُ عِنۡدَعُدُوِّنَاوَلَم یَشۡکُوۡ کَمَاشَکَکۡتُم،فَاسۡتَقۡبَلَھُمُ الۡمَلَائِکَةُ بِالۡبُشۡریٰ مِنَ اللّٰہِ بِالۡجَنَّةِ''.

''وہ آئمہ ہیں اور ہمارے شیعوں میں سے جو دین پر قائم رہتے ہیں اور ہمارے احکام کو مانتے ہیں اور ہمارے دشمنوں سے ہمارے رازوں کو چھپاتے ہیں، اُن کو ملائکہ اللہ کی طرف سے جنت کی خوشخبری دیتے ہیں''۔

خدا کی قسم! ماضی میں ایسے لوگ گزرے ہیں جو آپ کی طرح متدین تھے۔ اپنے دین پر سختی سے پابند رہے اور اُنہوں نے ہمارے احکام کو تسلیم کیا، افشاء نہ کیا اور سب سے اہم یہ کہ اُنہوں نے کبھی شک نہ کیا۔ پس فرشتے اُن پر نازل ہوئے اور اُن کو خدا کی طرف سے جنت کی بشارت دی۔

امامؑ معصوم ہیں

ابوعبیدہ، امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

''يَا زِيَادُ مَا تَقُولُ لَو اُفْتِينَارَجُلاً مِمَّنْ يَتوَلَّانَا بِشَيْءٍ مِنَ التقيّةِ؟ قَالَ قُلْتُ لَهُ: اَنْتَ أعْلَمُ جُعِلْتُ فِدَاكَ، قَالَ: اِن اَخذَبِهٖ فَهُوَخيرٌلَّهٗ وَاَعْظَمُ اَجراً وَفِي رِوَايَةٍ اُخرىٰ: اِن اَخَذَبِهٖ اُوجَرَوَاِنْ تَرَكَهٗ وَاللّٰهِ اَثِمَ''۔

''اے زیاد (ابوعبیدہ) اس میں تمہاری کیا رائے ہے کہ اگر میں اپنے حُب داروں میں سے کسی کو تقیہ کی بنیاد پر کوئی حکم دوں؟ اُس نے کہا: آپؑ ہم سے زیادہ جانتے ہیں، ہم آپؑ پر قربان۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کوئی ہمارا حب دار ہمارے کسی حکم کو جس کی بناء تقیہ پر ہو، قبول کرتا ہے تو وہ عمل اُس کیلئے بہترین عمل ہے اور اگر اُس کو قبول نہیں کرتا تو وہ گناہ کا مرتکب ہوا''۔

فرمانِ پیغمبرؐمیں قرآن ہے

ابن ابوعمیر اور دوسرے بہت سے افراد نے یہ روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے منیٰ میں خطبہ دیا اور خطبہ کے دوران میں فرمایا:

''اَیُّھَاالنَّاسُ مَاجَاءَ کُم عَنِّی فَوَافَقَ کِتَابَ اللّٰہِ فَاَنَا قُلْتُہٗ، وَمَاجَاءَ کُمْ یُخَالِفُ القُراٰنَ فَلَمْ اَقُلْہٗ'.

''اے لوگو! میری جو حدیث تم تک پہنچے، اگر وہ موافق قرآن ہو تو سمجھ لینا کہ میں نے کہی ہے اور اگر مخالفِ قرآن ہو تو سمجھ لینا کہ میں نے نہیں کہی''۔

جو روایت قرآن سے ٹکرائے، اُسے پھینک دو

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

''یَامُحَمَّدُ مَاجَاءَ کَ فِی رِوَایَۃٍ مِن بَرٍّ اَوفَاجِرٍ یُوَافِقُ القُرآنَ فَخُذبِہٖ وَمَاجَاءَ کَ فِی رِوَایَۃٍ مِن بَرٍّاَوفَاجِرٍ یُخَالِفُ القُرآنَ فَلَا تَأخُذْبِہٖ''.

''اے محمد! ہماری جو روایت بھی تم تک پہنچے، خواہ اُس کا راوی نیک ہو یا بد، اگر وہ روایت قرآن کے موافق ہو تو لے لینا اور اگر وہ مخالفِ قرآن ہو تو راوی بے شک نیک ہو، اُسے نہ لینا''۔

حدیث کے ستر معنی

ابراہیم کرخی، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

''حَدِيثٌ نَدْ رِيَه خَيرٌ مِن أَلفِ تَروِيَهٍ وَلَا يَكُونُ الرَّجُلُ مِنكُم فَقِيهاً حَتّٰى يَعْرِفَ مَعَارِيضَ كَلامِنَا وَاِنَّ الكَلِمَةَ مِن كَلامِنَا لَتَنصَرِفُ عَلٰى سَبْعِيْنَ وَجُهاً لَنَا مِنْ جَمِيْعِهَا المَخْرَج''.

''امامؑ نے فرمایا کہ ہماری ایک حدیث کو سمجھنا اور جاننا نا سمجھتے ہوئے ہماری ہزار احادیث کو روایت کرنے سے بہتر ہے کیونکہ اس کا امکان نہیں کہ آپ میں سے کوئی فرد فقیہ ہو اور ہماری احادیث کا نقطہ نظر نہ جانتا ہو کیونکہ ہمارے کلام کا ہر کلمہ ممکن ہے ستر (۷۰) معنی تک رکھتا ہو''۔

علماء اور شہداء کا مقام

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''اَقْرَبُ النَّاسِ مِن دَرَجَةِ النُّبُوَّةِ اَهْلُ الْعِلْمِ وَالجِهَادِ اَمّا اَهْلُ الْعِلْمِ فَدَلُّوا النَّاسَ عَلٰى مَاجَاءَ تْ بِهِ الرُّسُل وَاَمّااَهْلُ الْجِهَادِ فَجَاهَدُوْا بِأَسْيَافِهِم عَلٰى مَاجَاءَ تْ بِهِ الرُّسُل''.

''لوگوں میں مقامِ انبیاء کے قریب دو گروہ ہیں، ایک علماء اور دوسرے جہاد فی سبیل اللہ (مجاہد) کرنے والے۔ یہ اس لئے کہ علماء لوگوں کو پیغمبروں اور رسولوں کی تعلیمات پہنچاتے ہیں اور مجاہد مقاصدِ انبیاء کی حفاظت کیلئے جنگ کرتے ہیں''۔

پیغمبرِ اسلامؐ کی نظر میں نحس دن

پیغمبرِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:

"اِذَا اَتٰی عَلَیَّ یَوْمٌ لَا اَزْدَادُ فِیْهِ عِلْمًا یُقَرِّبُنِیْ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی فَلَا بُوْرِکَ لِیْ فِیْ طُلُوْعِ شَمْسِ ذٰلِکَ الْیَوْمِ".

"میرا جو دن ایسے گزرے کہ اُس دن میرے علم میں اضافہ نہ ہو جو میرے لئے قربِ الٰہی کے مزید حصول کا باعث بنے، وہ دن میرے لئے مبارک نہ ہو"۔

سب سے خطرناک افراد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"قَطَعَ ظَهْرِی اِثْنَانِ: عَالِمٌ مُتَهَتِّکٌ وَجَاهِلٌ مُتَنَسِّکٌ، هٰذَا یَصُدُّ النَّاسَ عَنْ عِلْمِهٖ بِتَهَتُّکِهٖ، وَهٰذَا یَصُدُّ النَّاسَ عَنْ نُسُکِهٖ بِجَهْلِهٖ".

"دو قسم کے افراد نے میری کمر شکستہ کردی ہے، ایک وہ عالم جو پابندِ عمل نہ ہو، دوسرا وہ جاہل جو عبادت بھی جہالت میں کرتا ہو"۔

عالمِ بے عمل لوگوں کو اپنی بے عملی کی وجہ سے رغبتِ دین سے دور رکھتا ہے اور جاہل عابد اپنی جہالت کی وجہ سے لوگوں کو دین کے راستہ سے دور کر دیتا ہے۔

تیسری آرزو

لوگوں میں صلح کروادینا

اہمیتِ صلح

اس حدیث کے تحت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تیسری آرزو ایسے دو افراد یا گروہوں کے درمیان صلح کروا دینا ہے جو آپس میں ناراض ہوں۔

جب جبرئیل علیہ السلام خدمتِ رسالتؐ میں پہنچے تو عرض کرنے لگے:

''یا رسولؐ اللہ! میں بہت خواہش مند تھا کہ اے کاش! میں بشر ہوتا اور دو افراد یا مختلف لوگوں میں جو اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں، اُن کو برطرف کر سکتا اور اُن میں صلح وصفائی کروا دیتا''۔

جبرئیل علیہ السلام کی اس آرزو کی اہمیت کو سمجھنے کیلئے بھی ہمیں یقیناً درِ اہلِ بیتؑ پر جانا پڑے گا تاکہ اس کی اہمیتِ واقعی کو سمجھ سکیں۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں لڑائی، جھگڑے، اختلافات، کینہ اور قہر وغضب کی جو مذمت دین اسلام میں کی گئی ہے، اُسے سمجھنے کی کوشش کرنا ہوگی تاکہ اس باب کو بھی ہر لحاظ سے کامل اور پُرثمر بنایا جا سکے۔

آغاز میں ہم قرآنِ کریم میں غور کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ قرآنِ پاک اختلافات کے موضوع پر کیا کہتا ہے۔

اسلام میں اختلاف کی مذمت

اللہ تعالیٰ سورہَ انفال کی چھیالیسویں آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا

وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا. اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ

''اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت (کا لحاظ) کیا کرو اور نزاع مت کرو (نہ اپنے امام سے، نہ آپس میں) ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

بے شک اس آیت کی شانِ نزول ابتدائے اسلام میں جنگِ بدر میں شریک مسلمان سپاہیوں سے منسلک ہے۔ لیکن ہمیں یہاں یہ نکتہ نہیں بھولنا چاہئے کہ دین اسلام قیامت تک کیلئے ہے اور قرآن بھی قیامت تک کیلئے ہے۔ اسی واسطے اسلام کے احکامات کسی ایک گروہ یا کسی معینہ مدت کیلئے محدود نہیں۔ یعنی اگر حکمِ اطاعت کبھی ایک قوم کیلئے اور کسی خاص وقت پر بھی ہو تو پھر بھی یہ حکم تمام مسلمانوں پر اُسی طرح واجب ہوگا جس طرح اُن خاص لوگوں پر جن کیلئے خصوصی طور پر نازل ہوا تھا اور ان احکام کی اطاعت لازم ہوگی۔

اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کسی ملک کی فوج یا پولیس میں اختلافات (تفرقہ) اُن کے درمیان باعثِ سستی اور ضعیفی ہو سکتا ہے تو یقیناً باقی معاشرہ کے افراد میں بھی اسی طرح ہوگا اور خدا کی طرف سے تفرقہ سے بیزاری اور اُس کی مذمت مسلمانوں کیلئے خصوصی توجہ کی حامل ہونی چاہئے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو اس سے لازماً بچنا چاہئے۔

تفرقہ سے شیطان کی خوشی

1۔ کافی میں ابو بصیر، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ جب تک دو مسلمان بھائی آپس میں ناراض رہیں، شیطان اس صورتحال سے بہت خوش ہوتا ہے اور جیسے ہی وہ آپس میں صلح کر لیتے ہیں تو شیطان کے پاؤں لڑکھڑانے لگتے ہیں اور وہ فریاد کرتا ہے کہ میں مارا گیا، میں

ہلاک ہو گیا۔

2۔ مفضل اپنی وصیت میں کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا کہ جب دو افراد ایک دوسرے سے اس حال میں جدا ہوں کہ وہ آپس میں ناراض اور ایک دوسرے پر غضبناک ہوں تو اُن میں سے ایک یا دونوں ملامتِ (لعنت) خدا کے مستحق قرار پاتے ہیں اور وہ رحمتِ خدا سے دور ہوتے ہیں۔

معتب جو امامؑ کا مخصوص دوست تھا، عرض کرنے لگا کہ میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں یہ سزا تو ظالم اور ستمگار کی ہے لیکن جو مظلوم ہے، اُسے کس جرم میں سزا ملتی ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ یہ اس لئے کہ اُس نے اپنے دینی بھائی کو صلح کی دعوت نہ دی (یعنی جو بھی کہا اور سنا گیا، اُسے فراموش کیوں نہ کیا)۔

پھر آپؑ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بابا امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا کہ اُنہوں نے فرمایا کہ جب دو افراد کے مابین جھگڑا ہو جائے اور اُن میں سے ایک فرد دوسرے پر زیادتی کرے تو وہ مظلوم (خدا کی خوشنودی کیلئے) اپنے ظالم دوست یا عزیز کے پاس جائے اور کہے کہ بھائی! مجھ سے زیادتی ہوگئی، یہ اس لئے کہ اُن دونوں کے درمیان جدائی ختم ہو جائے۔

خداوند کریم عادل بھی ہے اور ظالم و مظلوم کو بخوبی جانتا بھی ہے۔ وہ مظلوم کی داد رسی ضرور کرے گا۔

علامہ مجلسیؒ مرحوم فرماتے ہیں کہ یہ حکم دو دینی بھائیوں کیلئے ہے جو مؤمن اور متدین ہوں مگر اگر کوئی اُن میں سے بدکار یا گناہگار، فاسق و فاجر ہو تو اُس صورت میں نہ صرف یہ کہ قطع تعلق کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ نہی عن المنکر کا

مطلوب بھی یہی ہے۔

تفرقہ باعثِ خطرۂ ایمان

3۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مؤمن کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے''۔

4۔ داؤد بن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ اُنہوں نے فرمایا:

''میرے بابا امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ رسولِ خداؐ کا ارشاد ہے کہ دو مسلمان افراد جو ایک دوسرے سے غضبناک ہوں اور وہ تین روز تک اسی حال میں رہیں اور آپس میں صلح نہ کریں تو وہ دونوں دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں گے اور اُن میں سے جو بھی دوسرے (دینی بھائی) سے بات چیت کرنے میں سبقت لے جائے گا، وہ قیامت کے روز بھی بہشت میں داخل ہونے میں سبقت لے جائے گا''۔

5۔ ایک اور حدیث جو امام باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جیسے ہی شیطان دو مؤمنوں کے درمیان دشمنی ڈال دیتا ہے اور جب تک اُن دونوں میں سے کوئی ایک معاف نہیں کر دیتا (یا دونوں معاف نہیں کر دیتے) شیطان (خوش ہوکر) پشت کے بل سوتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کامیاب ہوا۔ پس خدا تعالیٰ اُس شخص پر رحمت کرے جو ہمارے دو دوستوں کے درمیان اُلفت و محبت پیدا کر دے۔ اے گروہِ مؤمنین! آپس میں پیار اور محبت پیدا کرو اور ایک دوسرے پر مہربانی کرو۔

اپنوں سے قطع تعلق کی اجازت نہیں

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اُس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنے عزیز رشتہ داروں سے اس بناء پر قطع تعلق کرنا چاہتا ہے کہ وہ مذہبِ حق (مذہبِ شیعہ) کو نہیں مانتے۔ امامؑ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اُس کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اُن سے قطع تعلق کرے۔

اس روایت سے ہمیں بخوبی علم ہوگیا کہ قہر وغضب اور قطع تعلق تو ان افراد سے بھی جائز نہیں جو ہمارے برحق پیشواؤں اور اماموں کو بھی صحیح مقام پر نہیں مانتے، چہ جائیکہ اس قہر وغضب اور قطع تعلقی کی اجازت مومنین سے ہو۔

اب جبکہ لڑائی جھگڑا کرنے کی مذمت ظاہر ہوگئی تو ہم دیکھتے ہیں کہ دو افراد کے درمیان صلح وصفائی کروا۔ نے کا کیا فائدہ ہوگا۔

صلح کی اہمیت قرآن کی نظر میں

آیئے قرآن میں دیکھتے ہیں کہ پروردگارِ عالم اس کے بارے میں کیا فرماتا ہے:

سورۂ حجرات کی آیت 10 میں ارشاد ہے:

''اِنَّمَاالْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوااللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ''.

''تمام مؤمنین (جو ایک روحِ ایمانی اور رحمتِ الٰہی کی وجہ سے معرضِ وجود میں آئے ہیں اور اصل میں اُن سب کے روحانی اور ایمانی باپ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام ہیں اور اس وجہ سے) آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس تم اپنے بھائیوں میں (اگر کوئی جھگڑا پیدا ہوجائے یا ناراضگی ہوجائے) صلح کروادیا کرو۔ خدا سے

ڈرو، شاید اس تقویٰ اور خدا خوفی کی وجہ سے تم پر رحم کیا جائے''۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ صدقہ جو خدا کو (بہت) پسند ہے، وہ لوگوں کے درمیان صلح کروا دینا ہے، جب اُن کے درمیان اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو گیا ہو اور لوگوں کو آپس میں نزدیک کرنا، جب وہ ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہوں۔

صلح کی اہمیت علی علیہ السلام کی نظر میں

حضرت علی علیہ السلام کے نزدیک صلح کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپؑ بستر شہادت پر تھے تو اُس وقت آپؑ نے حسن و حسین علیہما السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں تم دونوں کو، اپنے باقی فرزندوں کو اور اپنے اہلِ بیتؑ اور اُن تمام افراد کو جن تک یہ وصیت نامہ پہنچے، تقویٰ و پرہیزگاری کی سفارش کرتا ہوں''۔

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: ''لوگوں کے درمیان اصلاح کو فراموش نہ کرنا کیونکہ میں نے اپنے برادرِ بزرگوار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا:

''اِصلَاحُ ذَاتِ البَیْنِ اَفضَلُ مِن عَامَّةِ الصَّلٰوةِ وَالصِّیَامِ''۔

یعنی ''لوگوں کے درمیان صلح کروانا اور اختلافات کو دور کروا دینے کا ثواب نماز و روزہ سے زیادہ ہے''۔

مرحوم علامہ مجلسیؒ اس حدیث کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ نماز و روزہ سے مراد

واجب نماز و روزہ نہیں بلکہ مستحب نماز و روزہ ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص لوگوں کے درمیان ایک اختلاف دور کروادے تو اُس کا ثواب اُن تمام مستحب نماز و روزہ سے، جو وہ خود بجالائے اور دوسرے بجالائیں، زیادہ ہے۔

ان روایات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس موضوع کی کیا اہمیت ہے۔

اب ہم اس موضوع کے بارے میں آئمہؑ اطہار کی زبان سے روایات کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کی اہمیت کا اندازہ لگاتے ہیں جس کو بجالانے کیلئے جبرئیل علیہ السلام نے بشر ہونے کی آرزو کی تھی۔

1۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سب سے اعلیٰ، سب سے قیمتی اور سب سے زیادہ اہمیت والا صدقہ، صدقۂ زبان ہے۔ پوچھا گیا: یارسولؐ اللہ! صدقۂ زبان کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: زبان سے کسی کی شفاعت کرنا، مثلاً اگر کوئی شخص کسی مشکل میں گرفتار ہو یا کوئی اسیر ہو تو زبان سے سفارش کردینا صدقۂ زبان ہے۔ اسی طرح اگر کسی کا ناحق خون گرنے سے روک دیا جائے یا کوئی اچھا کام زبان کے ذریعہ سے کسی دینی بھائی کیلئے انجام دے دیا جائے یا کم از کم زبان کے ذریعہ سے کسی کی پریشانی کو گھٹا دیا جائے تو یہ سب صدقۂ زبان (کی قسمیں) ہیں۔

2۔ ایک اور حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلامؑ نے ارشاد فرمایا:

''دو افراد کے درمیان صلح کروادینا میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ خدا کی راہ میں دو دینار صدقہ دوں''۔

3۔ گزشتہ روایت سے بھی زیادہ اہم ایک اور روایت ملاحظہ ہو جس میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مفضّل کو ارشاد فرمایا:

''جس وقت بھی تم ہمارے دو شیعوں کے درمیان نفاق اور جھگڑا دیکھو تو میرے مال میں سے فدیہ دے دو (یعنی اگر اُن میں سے ایک پیسوں کا دعویٰ کرے تو مسئلہ حل کروانے کیلئے میرے مال سے ادا کر دو تاکہ دوسرے شخص کو اس گرفتاری سے رہا کروایا جا سکے)''۔

4۔ ابو حنیفہ مقدم حاج کہتے ہیں کہ میرے اور میرے داماد کے درمیان میراث کے مسئلہ پر جھگڑا تھا کہ مفضل ہم تک پہنچے۔ کچھ دیر تک ہمارے پاس کھڑے رہے اور پھر کہا کہ میرے گھر میں آئیں۔ ہم اُن کے گھر چلے گئے تو اُنہوں نے ہمارے درمیان چار سو درہم سے فیصلہ کروا دیا اور وہ چار سو درہم اپنی جیب سے ہمیں ادا کر دیئے اور ہم دونوں سے عہد لیا (کہ اس کے بعد کوئی دعویٰ نہیں کرے گا) اور کہا کہ یہ پیسے میرے نہیں تھے بلکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے حکم دیا تھا کہ اگر ہمارے دو حب داروں کے درمیان لڑائی ہو جائے تو میرے مال سے (فدیہ) ادا کر دینا تاکہ اُن کے درمیان صلح کروائی جا سکے۔ پس میں نے جو رقم ادا کی ہے، وہ اصل میں مالِ امام تھا۔

5۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

کلام تین قسم کا ہوتا ہے:

۱۔ سچ۔ ۲۔ جھوٹ۔ ۳۔ لوگوں کے درمیان صلح والا کلام۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا: ''یا بن رسولؐ اللہ! میں آپؑ پر قربان! یہ تیسری قسم کا کلام یعنی لوگوں کے درمیان صلح والا کلام کونسا ہے؟''

آپؑ نے فرمایا: ''اگر تم ایک گروہ سے دوسرے گروہ کے بارے میں کوئی سخت اور ترش کلام سنو جو اگر اُسی طرح دوسرے گروہ تک پہنچے تو اُس کو اذیت پہنچتی ہو،

اس صورت میں اگر تم دوسرے گروہ کو سخت اور ترش کلام کی بجائے نرم، محترم اور تعریفی پیغام پہنچاؤ تو یہ تیسری قسم کا کلام ہوگا (تم نے بے شک اس تعریف میں جھوٹ بولا کیونکہ اصل میں کلام سخت تھا لیکن تم نے صلح و آشتی کی خاطر اسے بدل دیا، لہٰذا اس جھوٹ کو گناہ نہ سمجھا جائے گا)''۔

6۔ عیسیٰ بن حسان کہتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ امامؑ نے فرمایا:

''ہر جھوٹ بولنے والے سے پوچھ گچھ کی جائے گی، سوائے تین قسم کے افراد سے (جو نیچے درج کیے جا رہے ہیں):

☆ میدانِ جنگ (دین کے دشمنوں سے) میں جھوٹ۔ جس کے ذریعے دشمن کو دھوکہ دے کر اُس پر غلبہ حاصل کرنا مقصود ہو۔

☆ دو افراد یا گروہوں کے درمیان صلح کروانے کے وقت بولا جانے والا جھوٹ۔ یعنی اگر کوئی فرد دوسرے کو بُرا بھلا کہے لیکن صلح کروانے والا یہی کہے کہ اُس نے تمہاری تعریف کی ہے اور احترام کا قائل ہے تو یہ جھوٹ چونکہ بہتری کیلئے ہے، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

☆ جب کوئی اپنے گھر والوں سے وعدہ کر لے اور اُس پر عمل نہ کر سکے (بے شک اُس نے اچھا نہیں کیا لیکن پھر بھی اُس کے حساب میں جھوٹ نہیں لکھا جائیگا)۔

پیغمبرِ اسلامؐ نے علی علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''یا علیؑ! اللہ تعالیٰ ایسے جھوٹ کو جو اصلاح کیلئے ہو (یا اصلاح کا باعث بنے) پسند کرتا ہے اور ایسے سچ کو جو فساد کا باعث بنے، ناپسند کرتا ہے''۔

7۔ صحیحۂ معاویۃ بن عمار میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے

فرمایا:

''صلح کروانے والا اور امن لانے والا جھوٹا نہیں ہوتا''۔

یعنی صلح کروانے والا شخص اور لڑائی جھگڑے کو ختم کروا کے امن و آشتی لانے والا شخص، چاہے اس مقصد کیلئے جھوٹ بھی بولے تو اُسے جھوٹا نہیں کہا جائے گا۔

روایاتِ بالا کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ واجبات کے بعد کوئی مستحب کام یعنی نماز و روزہ ایسا نہیں جو اس بلندی تک پہنچا ہو۔کوئی صدقہ ایسا نہیں جو اس کام سے افضل ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے مال میں سے کچھ مال کو اس کام (صلح) کیلئے مخصوص کر دیا تھا اور اگر کوئی شخص ناراض افراد یا گروہوں کے درمیان صلح کروانے کیلئے جھوٹ بھی بولے تو اُس کو جھوٹا نہیں کہا جائے گا۔

متفرقات

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تیسری آرزو یعنی لوگوں کے درمیان صلح و صفائی کروا دینے پر بحث ہو رہی تھی۔اس میں اختلافات کی مذمت اور اتفاق و اتحاد کی اہمیت پر بات ہوئی۔

آیئے! ہم دیکھتے ہیں کہ قطع رحمی (اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے تعلق ختم کر دینا) جو اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کی وجہ ہی سے معرضِ وجود میں آتا ہے اور صلہ رحمی جو صلح اور میل جول کا نام ہے، کی کیا اہمیت ہے۔

اس سلسلہ میں ہم احادیث سے مدد لیتے ہوئے اس بحث کو سمیٹنے کی کوشش کرینگے:

گناہانِ کبیرہ میں سے، جواز روئے قرآن، احادیث اور روایاتِ اہلِ بیتؑ بالکل واضح ہے، وہ قطعِ رحمی ہے۔رحم کے لغوی یا اسلامی اصطلاحی معنی انسان کے

قریبی (ماں باپ) رشتہ دار ہیں۔ روایت میں ہے کہ عروۃ بن یزید نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں پوچھا:

''وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَاللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ''. (سورہ رعد: آیت 21)

''اور جو اُن کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں جن کی صلہ رحمی کا خدا نے حکم دیا ہے اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور حساب کی سختی سے خوف کھاتے رہتے ہیں''۔

تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ صلہ رحمی کے بارے میں ہے اور رحم سے مراد تمہارے نزدیکی رشتہ دار ہیں۔

قرآن مجید میں تین سورتوں میں، سورہ بقرہ آیت 27:

''اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَاللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ''.

''جو خدا سے عہد و پیمان کر کے پھر اُسے توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے خدا نے وصل کا حکم دیا ہے، اُن میں فصل کر دیتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ نقصان میں رہنے والے ہیں''۔

سورہ رعد کی پچیسویں آیت:

''وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ

وَيَقْطَعُوْنَ مَآاَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُوْلٰٓئِکَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ".

"اور جو عہد خدا کو بعد اُس کے پختہ ہو جانے کے توڑ ڈالتے ہیں اور جن کی صلہ رحمی کا خدا نے حکم دیا تھا، اُن سے قطع رحمی کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ ہیں کہ اُن کیلئے لعنت ہے اور اُن ہی کیلئے اُس گھر کی خرابی ہے"۔

سورۂ محمد کی بائیسویں آیت:

"فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ".

"پھر کیا یہ قریب ہے کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو تم زمین میں فساد کرو اور قطع رحمی کرو"۔

اوپر لکھی ہوئی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قطع رحمی کو قیامت میں نقصان دہ اور قطع رحمی کرنے والے کو ملعون قرار دیا ہے اور رحمتِ خدا سے دور کر دیا ہے۔

قطع رحمی۔ بدترین عمل

ایک شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسولؐ اللہ! مجھے بتائیں کہ خدا کے نزدیک کونسا عمل سب سے بُرا اور ناپسندیدہ ہے؟ اُس کے جواب میں نبیؐ پاک نے فرمایا:

"کسی کو خدا کا شریک بنانا"۔

اُس شخص نے پوچھا کہ اس کے بعد کونسا عمل؟

آپؐ نے جواب دیا: "قطع رحمی (اپنے عزیز واقارب سے قطع تعلق کرنا)"۔

اُس شخص نے پھر پوچھا: ''اس عمل کے بعد کونسا عمل؟''

آپؑ نے جواب دیا: ''امر بہ منکر اور نہی عن المعروف'' (برائی کا حکم دینا اور نیک کاموں سے روکنا)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: (اصولِ کافی)

''ثَلاَ ثَۃُ خَصَائِلَ لَا یَمُوتُ صَاحِبُھُنَّ حَتّٰی یَرٰی وَبَالَھُنَّ اَبغٰی وَقَطِیعَۃٌ وَالیَمِینُ الکَاذِبَۃُ.''

''تین خصلتیں ایسی ہیں کہ اُن خصلتوں کے مالک کو موت نہیں آئے گی جب تک وہ ان کا بُرا انجام نہ دیکھ لے، یعنی ظلم، قطع رحمی اور جھوٹی قسم۔

عزیزوں کی لڑائی کے مقابلہ میں نیکی

ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے رشتہ داروں کی شکایت کرنے لگا۔ آپؑ نے فرمایا:

''اپنے غصے کو پی جا اور اپنے غیظ وغضب کو برداشت کر، اُن کے ساتھ نیکی کر''۔

وہ شخص کہنے لگا: ''مولا! میرے ساتھ اُنہوں نے یہ کیا، وہ کیا اور مجھ پر ظلم کیا''۔

آپؑ نے فرمایا: ''کیا تو بھی چاہتا ہے کہ اُن کی طرح قطع رحمی کرے اور احسان کرنا چھوڑ دے۔ اگر اس طرح کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی دنیا وآخرت میں تجھ سے اپنا لطف و کرم اُٹھا لے گا''۔

مرحوم علامہ مجلسیؒ اس روایت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''ممکن ہے کہ منظورِ امام علیہ السلام یہ ہو کہ اگر تم اپنے عزیزوں کی طرح قطع رحمی نہ کرو اور اُن سے اپنے تعلقات استوار رکھو تو شاید وہ اس پر پشیمان اور نادم ہوں اور تم سے

میل جول شروع کردیں۔اس طرح رحمتِ خداتم سب پر ہواور اگر تم بھی اُن کی طرح قطع رحمی کروتو خداتم کسی پر بھی لطف وکرم کی نظر نہیں کرے گا''۔

یہ چند روایات قطع رحمی کے بارے میں تھیں، آیئے اب ہم صلۂ رحمی کو قرآن اور اہلِ بیتؑ کی نظر سے دیکھتے ہیں:

صلۂ رحمی واجب ہے

اللہ تعالیٰ سورۂ نساء آیت 1 میں ارشاد فرماتا ہے:

''وَا تَّقُوااللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ.اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً''

''اوراللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر آپس میں تم سوال کرتے ہواور قطع رحمی سے بچو۔اس میں شک نہیں کہ خداتم پر نگران ہے''۔

اس آیت کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہاں رحم سے مراد تمام رشتہ دار ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کا حکم دے رہا ہے اور اس کا ذکر اپنے نام کے ساتھ کیا ہے جس سے اس کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تین احکام (ایسے) دیئے ہیں کہ ہر حکم میں دو چیزوں کی سفارش کی گئی ہے، ہر حکم دونوں کی بجا آمدی سے منسلک ہے۔آپؑ نے فرمایا:

''اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَمَرَ بِثَلٰثَةٍ مَقرُونٍ بِهَا ثَلٰثَةُ اَمرٍ:

(ا). اَمَرَ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکوٰةِ فَمَن صَلّٰی وَلَم یَزُکّٰ لَم تُقْبَلُ مِنهُ صَلٰوتُهُ.

''اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھا حکم دیا ہے، پس جو کوئی نماز پڑھے اور زکوٰۃ نہ دے تو اُس کی نماز بھی قبول نہیں کی جائے گی''۔

(ب). وَاَمَرَ بِالشُّکرِ لَهُ وَلِوَالِدَيهِ فَمَن لَّم يَشكُر وَالِدَيهِ لَم يَشكُرِ اللّٰهَ.

''اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر ادا کرنے کا اور والدین کے شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے، پس جو کوئی خدا کا شکر تو ادا کرے لیکن اپنے والدین کا قدردان اور شکرگزار نہ ہو تو خدا کی شکرگزاری بھی قبول نہیں کی جائے گی''۔

(ج). وَاَمَرَ بِاتِّقَاءِ اللّٰهِ وَصِلَةِ الاَرحَامِ فَمَن لَّم يَصِل رَحِمَهُ لَم يَتَّقِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ''. (عیون الاخبار)

''اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، پس اگر کوئی تقویٰ اختیار کرے مگر صلہ رحمی نہ کرے تو اُس کا تقویٰ بھی خدا کو قبول نہیں''۔

صلہ رحمی اور قیامت میں حساب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جد بزرگوار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

''صِلَةُ الرَّحِمِ تُهَوِّنُ الحِسَابَ يَومَ القِيٰمَةِ''.

''صلہ رحمی قیامت کے روز حساب کو آسان کر دے گی''۔

صلہ رحم کیلئے پیغمبرؐ اسلام کی سفارش

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے جد بزرگوار پیغمبرؐ اسلام نے

فرمایا ہے:

''اُوصِی الشَّاھِدَ مِن اُمَّتِی وَالغَائِبَ مِنھُم وَ مَن فِی اَصلَابِ الرِّجَالِ وَ اَرحَامِ النِّسَاءِ اِلٰی یَومُ القِیٰمَۃِ اَنْ یَّصِلَ الرَّحْمَ وَلَو کَانَ مِنہُ عَلٰی مَسِیرَۃِ سَنَۃٍ فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنَ الدِّینِ''. (اصولِ کافی)

''میں قیامت تک کیلئے اپنی اُمت سے تم کو جو حاضر ہیں یا غائب ہیں یا ابھی باپوں کے اصلاب میں ہیں یا ماؤں کے ارحام میں ہیں یا ابھی تک دنیا میں نہیں آئے، سب کو وصیت کرتا ہوں کہ صلہ رحمی کریں، اگرچہ تم میں اور تمہارے رحم (ماں باپ کی طرف سے قریبی رشتہ داروں) میں ایک سال کی مسافت کا سفر ہی کیوں نہ ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صلہ رحم ایسا امر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جزوِ دین قرار دیا ہے''۔

قاطع رحم اور پل صراط

حضرت امام باقر علیہ السلام، حضرت ابوذر غفاری سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا:

''حَافَتَا الصِّرَاطِ یَومَ الْقِیَامَۃِ الرَّحِمَ وَالاَمَانَۃَ فَاِذَ اَمَرَّ الوُصُولَ لِلرَّحِمِ المُؤَدِّی لِلاَمَانَۃِ نَفَذَ اِلٰی الجَنَّۃِ وَاِذَا مَرَّ الخَائِنُ لِلاَمَانَۃِ القُطُوعُ لِلرَّحِمِ لَم یَنفَعُ مَعَھُمَا عَمَلٌ وَتَکَفَاءُ بِہِ الصِّرَاطَ فِی النَّارِ''. (اصولِ کافی)

''پل صراط (وہ پل جو جہنم کے اوپر ہے اور ہر کسی کو اُسے عبور کرنا ہوگا) کے دو اطراف پر صلہ رحمی اور امانت ہوگی۔ اگر کسی نے صلہ رحمی کی ہوگی اور امانت میں خیانت نہ کی ہوگی تو وہ آسانی سے پل پر سے گزر جائے گا لیکن اگر کسی نے صلہ رحمی نہ کی ہوگی یا امانت میں خیانت کی ہوگی تو وہ کسی قیمت پر بھی پل پر سے نہ گزر سکے گا اور اُس کا کوئی دوسرا عمل اُسے فائدہ نہ پہنچا سکے گا اور وہ واصلِ جہنم ہوگا''۔

صلہ رحمی کا اجر

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ مَشٰی اِلٰی ذِیْ قَرَابَۃٍ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ لِیَصِلَ رَحِمَہٗ اَعْطَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَجرَ مِاۃِ شَہِیْدٍ وَّلَہٗ بِکُلِّ خُطْوَۃٍ اَرْبَعُوْنَ اَلفَ حَسَنَۃٍ وَّیُمْحٰی عَنْہُ اَرْبَعُوْنَ اَلفَ سَیِّئَۃٍ وَتَرفَعُ لَہٗ مِنَ الدَّرَجَاتِ مِثْلُ ذٰلِکَ وَکَاَنَّمَا عَبَدَاللّٰہَ تَعَالٰی مِاۃَ سَنَۃٍ''۔ (بحارالانوار)

''اگر کوئی شخص (صدقِ دل سے) جان و مال سے اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے تو پروردگار اُس شخص کو ایک سو شہیدوں کے برابر اجر و ثواب عطا کرے گا اور وہ شخص جو قدم اٹھائے گا، ہر قدم کے بدلے چالیس ہزار نیکیاں اُس کے حساب میں لکھی جائیں گی اور چالیس ہزار برائیاں اُس سے دور کر دی جائیں گی اور اسی اعتبار سے اُس کا درجہ بلند ہوگا، گویا اُس نے سو سال تک صبر کے ساتھ عبادت کی ہو''۔

صلہ رحمی کے دنیاوی فائدے

روایت میں ہے کہ ایک دن منصور دوانیقی نے کسی کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس اُن کو بلانے کیلئے بھیجا اور محل کے ایک کمرہ میں ایک قیمتی قالین بچھانے کا حکم دیا تا کہ امامؑ کے قریب بیٹھ سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد امامؑ (بادلِ نخواستہ) اپنے آپ کو معطر کئے ہوئے تشریف لائے۔ منصور نے آپؑ کا استقبال کیا اور امامؑ کو اپنے پاس بٹھایا۔ اُس نے امامؑ سے درخواست کی کہ صلہ رحمی کے بارے میں وہ حدیث بیان فرمائیں جو اُس نے مہدی عباسی سے سنی تھی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! میرے والد نے اپنے والد سے اور اُنہوںؑ نے اپنے جد بزرگوار علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے اور اُنہوںؑ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ اُنہوںؐ نے فرمایا:

'جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے، اگر اُس کی عمر تین سال باقی ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کی عمر کو تیس سال کر دیتا ہے اور جو قطع رحمی کرتا ہے، اگر اُس کی عمر تیس سال ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کی عمر کو تین سال کر دیتا ہے'۔

پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

''یَمحُو اللّٰہَ مَایَشَاءُ وَیُثبِت وَعِندَہٗ اُمُّ الکِتَاب''.

''خدا جس کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثبات عطا کرتا ہے اور اُس کے پاس ہی کتاب کا علم ہے''۔ (سورۂ رعد: آیت 39)

منصور نے کہا کہ یہ حدیث تو اچھی تھی لیکن میرا مقصود یہ نہیں۔ اس پر امامؑ نے

فرمایا کہ میرے والد نے اپنے والد سے اور اُنہوں نے اپنے جد علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے ارشاد فرمایا:

''صِلَةُ الرَّحِمِ تُعَمِّرُ الدِّيَارَ وَتَزِيدُ فِي الاَعْمَارِ وَ اِن كَانَ اَهْلُهَا غَيْرَ اَخْيارٍ''. (بحارالانوار)

''صلہ رحمی شہروں کو آباد کر دیتی ہے اور عمروں کو طولانی کر دیتی ہے، بے شک اُس کے رہنے والے افراد نیک نہ بھی ہوں''۔

منصور نے پھر کہا کہ حضورؑ یہ حدیث بھی اچھی تھی لیکن میرا مقصود یہ بھی نہیں۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد نے اپنے والد سے اور اُنہوں نے اپنے جد علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

'صِلَةُ الرَّحِمِ تُهَوِّنُ الْحِسَابَ وَتَقِى مِيْتَةَ السُّوءِ'

(بحارالانوار)

صلہ رحمی حساب کو آسان کر دیتی ہے اور آدمی کو بُری موت سے نجات دلاتی ہے۔

منصور نے کہا کہ یہی حدیث میرا مقصود تھی۔

داؤد رقی کہتا ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک آپؑ نے فرمایا:

''اے داؤد! جمعرات کے روز شیعان کے اعمال ہمارے سامنے پیش کئے گئے، تمہارے کاموں میں سے صلہ رحمی جو تم نے اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ کی تھی، اُس نے مجھے خوش کیا۔ اصلِ حقیقت کو میں جانتا ہوں کہ اُس کی قطع رحمی کے مقابلہ میں تمہاری صلہ رحمی نے اُس کی موت کو نزدیک تر کر دیا ہے''۔

داؤد نے کہا کہ میرے چچا کا بیٹا کینہ پرور اور خبیث آدمی تھا لیکن اُس کی پریشانی اور مصیبتوں سے میں آگاہ ہوگیا، پس اس سے قبل کہ میں مکہ کی طرف حرکت کرتا، میں نے کچھ پیسے اُس کو بھجوا دیئے تا کہ اُس کی زندگی میں آسانی ہو جائے۔ میں جب مدینہ پہنچا تو امامؑ نے مجھے اس سے باخبر کیا۔

صلہ رحمی کی عظیم ترین مثال

امام جعفر صادق علیہ السلام نے شہادت کے وقت وصیت فرمائی کہ میرے چچا کے بیٹے حسن افطس کو ستر دینار دے دیئے جائیں۔ وہاں موجود لوگوں میں سے کچھ نے عرض کیا:

''یا بن رسولؐ اللہ! کیا آپؑ اُس کو بخشش کر رہے ہیں جس نے تلوار کے ساتھ آپؑ پر حملہ کیا تھا؟''

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا تم نہیں چاہتے کہ میں اُن میں سے ہو جاؤں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

'اور وہ لوگ اُن کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں جس کا اللہ نے اُن کو حکم دیا ہے'

بے شک اللہ نے بہشت کو بنایا ہے اور اُسے پاکیزہ اور معطر کیا ہوا ہے۔ اُس کی خوشبو دو ہزار سال کی مسافت سے بھی سونگھی جا سکے گی مگر عاقِ والدین اور قاطع رحم اُس خوشبو کو نہیں سونگھ سکے گا''۔

صفوان جمال کہتا ہے کہ ایک دن امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبداللہ بن حسن کے درمیان بحث و مباحثہ ہوگیا اور کچھ لوگ اردگرد جمع ہو گئے، رات ہوگئی تو سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

صفوان کہتے ہیں کہ میں صبح صبح کسی کام کیلئے گھر سے نکلا۔ میں نے امام جعفر

صادق علیہ السلام کو عبداللہ بن حسن کے گھر میں دیکھا کہ فرمار ہے تھے:

''اے کنیز! عبداللہ بن حسن کو اطلاع دو کہ وہ باہر آئیں''۔

عبداللہ بن حسن باہر آئے اور کہا: ''یا ابا عبداللہ! اتنی صبح صبح کیوں تشریف لے آئے؟''

امامؑ نے فرمایا: ''میں نے کل رات قرآن کی آیت پڑھی جس نے مجھے پریشان کر دیا''۔

عبداللہ نے پوچھا: ''کونسی آیت؟''

امامؑ نے جواب دیا: ''وہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

'اور وہ لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں اُن کے ساتھ جس کا اللہ نے اُن کو حکم دیا ہے اور وہ اپنے خدا سے اپنے حساب میں بُرائی سے ڈرتے ہیں'۔''

عبداللہ کہنے لگے کہ آپؑ نے سچ فرمایا ہے۔ میں نے تو قرآن میں اس آیت کو نہیں پڑھا ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر رونے لگے۔

وضاحت

عبداللہ بن حسن وہی شخص ہے جس نے امامؑ سے لمبی بحث کی تھی اور آپؑ کو اپنے بیٹے محمد بن عبداللہ کی بیعت کرنے کیلئے کہا تھا۔ امامؑ بھلا ایسا کام کب کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ پورا قرآن امامؑ کی نظروں کے سامنے ہوتا ہے۔ یہ تو عبداللہ بن حسن کو تنبیہ کرنے کیلئے فرمایا تھا۔ آپؑ کی پریشانی بھی اسی کیلئے تھی۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صلہ رحمی کی کیا اہمیت ہے اور قطع رحمی کی اجازت نہیں، اگرچہ اہلِ رحم اس حد تک بھی فسق و گمراہی میں مبتلا ہوں۔

صلہ رحمی تو کافر عزیزوں کیلئے بھی لازم ہے

ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا:

''یا بن رسولؐ اللہ! میرا ایک عزیز ایسا ہے جو میرا ہم دین نہیں۔ کیا اُس کے میرے اوپر کچھ حقوق ہیں؟''

آپؑ نے فرمایا: ''ہاں! قرابت داری یا عزیز داری کو کوئی چیز ختم نہیں کرسکتی۔ البتہ اگر تمہارا قرابت دار تمہارا ہم دین ہو تو اُس کے تم پر دو حق ہو جائیں گے، ایک قرابت داری کی وجہ سے اور دوسرا ہم دین ہونے کی وجہ سے''۔

وضاحت

یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرابت دار بے شک کافر ہی کیوں نہ ہو، اُس کا مذہب قرابت داری کو ختم نہیں کرسکتا، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کافر رشتہ داروں سے بھی قطع رحمی نہ کرے۔ اگرچہ اُن سے دلی محبت نہ رکھے، پھر بھی ظاہراً اُن سے میل جول ضرور رکھے۔

خاندان والوں کی مدد کرنا واجب ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص پیغمبرؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''یا رسولؐ اللہ! کیا مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی حق ہے؟''

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: ''ہاں! اپنوں سے نیکی کرنا، اُن سے وابستگی رکھنا جو اہلِ خاندان سے کٹے ہوئے ہیں، مسلمان ہمسایہ کی مدد کرنا۔ اگر کسی شب کوئی سیر شکم سوئے اور اُس کا ہمسایہ بھوکا ہو تو وہ ایسے ہے جیسے مجھ پر ایمان ہی نہ لایا ہو''۔

پھر آپؐ نے فرمایا: ''جبرئیلؑ نے مجھے ہمسایہ کیلئے متواتر اس قدر سفارش کی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ کہیں ہمسایہ، ہمسایہ کی وراثت میں حصہ دار تو نہیں!''۔

کم ترین صلہ رحمی

آٹھویں امام علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام، امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

''صلہ رحمی کریں، بے شک یہ ایک گھونٹ پانی سے ہی کیوں نہ ہو۔ صلہ رحمی میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ عزیز و اقارب کو تم سے کسی قسم کی اذیت نہ پہنچے''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرو، اُن پر احسان کرو کیونکہ یہ عمل قیامت کے روز حساب کو آسان کر دے گا اور گناہ ہونے سے بچائے گا۔ پس اپنے بھائیوں سے صلہ رحمی کرو، اُن پر احسان کرو، بے شک یہ اچھے طریقہ سے اُنہیں سلام کرنے یا اچھے طریقہ سے اُن کو جواب دینے تک ہی کیوں نہ ہو''۔

صلہ رحمی کیلئے سفر کرنا

دین اسلام میں صلہ رحمی کیلئے اور اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کرنے کیلئے سفر کرنا مستحب ہے۔ پس رسولِ خدا سے روایت ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

''یا علیؑ! ماں باپ سے نیکی کرنے کیلئے مسافت کرو، چاہے یہ دو سال کی مسافت ہی کیوں نہ ہو، مریض کی عیادت کیلئے جاؤ، چاہے یہ مسافت ایک میل ہی کیوں نہ ہو اور تشییعِ جنازہ میں شرکت کرو، چاہے یہ مسافت دو میل ہی کیوں نہ ہو اور اپنے دینی بھائی کی زیارت اور ملاقات کیلئے جاؤ، چاہے مسافت چار میل ہی کیوں نہ ہو''۔

صلہ رحمی کرنے والے کا بہشت میں مقام

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ایک ایسا مقام ہے جہاں صرف تین قسم کے افراد پہنچ سکیں گے:

1۔ عادل حکمران

2۔ صلہ رحمی کرنے والا

3۔ غریب عیال دار جو صابر ہو۔

❁❁❁

چوتھی آرزو

یتیموں پر احسان کرنا

یتیموں پر مہربانی

اس حدیث کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام کی چوتھی آرزو یہ تھی کہ اے کاش! میں بشر ہوتا اور یتامیٰ پر احسان کرنے میں کامیاب ہوتا۔

ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ ہر چیز کو اُس کی ضد سے پہچانا جاسکتا ہے۔ اس حدیث میں بھی جبرئیلؑ کی تیسری آرزو یعنی ''ناراض لوگوں کے درمیان صلح کروانا'' کی اہمیت کو اور اُن سے پہلی دو آرزوؤں کو بھی ہم نے اُن کی ضد سے پہچانا۔

موجودہ موضوع یعنی ''یتیموں پر احسان کرنا'' کو بھی ہم انشاء اللہ اس کی ضد یعنی یتیم کو رنج و تکلیف پہنچانا اور اُن کے حقوق کو ضائع کرنے کی سزا کے حوالہ سے دیکھیں گے۔

قرآن مجید میں کم از کم چوبیس (24) آیات میں مختلف مقامات پر یتامیٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اُن کے حقوق کے خیال اور اُن پر احسان و نوازش کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سورۂ انعام کی آیت 152 میں ارشاد ہوتا ہے:

''وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ''.

''اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ، سوائے اس طریقہ کے جو بہتر ہو، جب تک کہ وہ قوتِ تمیز کو نہ پہنچ جائے''۔

سورۂ بنی اسرائیل آیت 34:

''وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا''.

''اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے اور عہد (مشروع) کو پورا کرو، بے شک (ایسے) عہد کی باز پرس ہونے والی ہے''۔

ان دو آیات میں یتامیٰ کے مال کے پاس جانے کو اتنا خطرناک بتایا گیا ہے جیسے کسی آتش گیر مادہ کے قریب آگ لے جانے سے خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

اس موضوع کا قرآن میں دوسرے گناہوں کے ساتھ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ یہ گناہ یعنی یتامیٰ کے اموال کو کھانا انتہائی وسوسہ انگیز (جس کیلئے شیطان دل میں بہت زیادہ وسوسہ ڈالتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اُس کی طرف راغب ہو جائے) ہے جیسے زنا و فحاشی اور اسی طرح کے دوسرے گناہ۔ لہٰذا لوگوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ یتیم کے مال پر نظر نہ رکھنا کیونکہ یتیم کے حقوق کا دفاع کرنے والا کوئی نہیں۔ کہیں شیطان تمہارے دل میں کسی قسم کا وسوسہ نہ ڈال دے اور تمہارے دل میں اُس مال کیلئے لالچ پیدا ہو جائے۔

ہر معاشرہ میں مختلف حادثات کی وجہ سے بہت سے افراد اس دنیا سے انتقال کر جاتے ہیں۔ اُن میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جن کے بچے ابھی کم عمری میں ہوتے ہیں۔ بعض اوقات داخلی جنگوں، قبائلی جنگوں، خاندانی جھگڑوں، بیماریوں اور معاشی ناہمواریوں کی وجہ سے بھی لوگ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں تو اس طرح کی اموات بہت زیادہ ہوتی تھیں۔ انہی وجوہات سے بہت سے بچے یتیم ہو جاتے۔

پس حکومتوں (خصوصاً اسلامی حکومت) کو اور صاحبِ استعداد افراد کو چاہئے کہ ان یتیموں کی مکمل حمایت کریں۔

انہی کے حقوق کی حفاظت کیلئے ارشادِ خداوندی ہے:

"وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ. اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا".

"اور یتیموں کو اُن کے مال دے دو اور بُرے کو اچھے سے نہ بدلو اور اپنے مال کے ساتھ (ملا کر) اِن کے مال کو نہ کھا جاؤ۔ بلاشک یہ بہت بڑا گناہ ہے"۔ سورۂ نساء: آیت 2

اس آیت کی شانِ نزول میں کہا گیا ہے کہ قبیلہ "بنی غطفان" میں ایک شخص کا بھائی بہت امیر آدمی تھی۔ وہ امیر آدمی فوت ہو گیا۔ وہ شخص اپنے بھائی کے یتیم بچوں کا کفیل بن کر اُن کے مال و دولت کو استعمال کرنے لگا۔ جب اُس کا بھتیجا جوان ہوا اور اُس نے اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ شخص مکر گیا اور مال و دولت کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

اس پورے قصے کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو خدا کی طرف سے درج بالا آیت نازل ہوئی۔ اُس غاصب شخص نے جب یہ آیت سنی تو توبہ کی اور تمام مال اُس کے وارثوں کے حوالے کر دیا اور کہا:

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْحُوْبِ الْكَبِيْرِ".

"میں اس گناہِ کبیرہ میں مبتلا ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں"۔

آیت مذکور میں یتیموں کے اموال کیلئے تین احکام دیئے گئے ہیں:

☆ یتیموں کے حدِ بلوغ تک پہنچنے پر اُن کے اموال واپس کرنا۔

☆ تمام اموال بغیر کسی کمی کے اُن کو لوٹانا۔

☆ یتیموں کے اموال کو (اپنے مال سے ملا کر یا تبدیل کر کے) اپنے اموال کے ساتھ نہ کھانا۔

مختلف قرآنی آیات کا مطالعہ کرنے سے علم ہوتا ہے کہ دین اسلام اس موضوع کی اہمیت کا بیحد قائل ہے اور یتامیٰ کے اموال میں خیانت کرنے والوں کو سخت ترین سزاؤں سے متنبہ کرتا ہے اور واضح الفاظ میں یتیموں کے کفیل اور سرپرستوں کو اُن کے اموال کی کامل حفاظت کا حکم دیتا ہے۔اس ضمن میں سورۂ نساء کی چھٹی آیت، سورۂ انعام کی آیت ایک سو باون اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت چونتیس بھی ملاحظہ ہوں۔

مثلاً سورۂ نساء، آیت 6 میں:

''وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَابَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا.وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ. فَاِذَادَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ.وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا''.

''اور تم یتیموں کو آزمالیا کرو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو اور ان اموال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے، جلدی جلدی اُڑا کر مت کھا ڈالو اور

جو شخص مستغنی ہو، سو وہ تو اپنے آپ کو بالکل بچائے اور جو شخص حاجت مند ہو، تو وہ مناسب مقدار میں کھائے۔ پھر جب ان کے اموال ان کے حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی بنالیا کرو اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے''۔

سورۂ نساء کی دسویں آیت میں یتیم کے مال میں خیانت کرنے پر لہجۂ خداوندی اور سخت ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

''وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم وستم سے کھاتے ہیں، اُن کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے وہ آگ کھا رہے ہوں اور وہ عنقریب آگ میں جلائے جائیں گے''۔

یتیموں کے اموال میں تجاوز کرنے والوں کی مذمت کیلئے بہت سی احادیث اور روایات ملتی ہیں جن کو پڑھ کر انسان کانپ جاتا ہے کیونکہ یتیم کے مال میں ذرا سی خیانت کرنے والا بھی ان احکام کے تحت آجاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا: ''یا بن رسولؐ اللہ! یہ آگ کی سزا جس کا ذکر سورۂ نساء میں ہوا، یتیم کا کتنا مال کھانے پر ملے گی؟''

امامؑ نے فرمایا: ''چاہے دو درہم کے برابر ہی کیوں نہ ہو''۔

اگرچہ قرآن میں بار بار یتیم کے اموال کی حفاظت اور اُس میں عدم خیانت کی تاکید کی گئی ہے لیکن دو مقامات پر یعنی سورۂ نساء کی چونتیسویں آیت اور سورۂ بنی اسرائیل کی دسویں آیت میں بہت ہی تند اور شدید لہجہ میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اور ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے کہ جب ان آیات کا نزول ہوا جن میں یتامیٰ کے اموال کے قریب جانے سے بھی روکا گیا ہے، سوائے اس کے کہ اُس میں اُن کا فائدہ ہو اور اُن کے مال کھانے والا ایسے ہے جیسے آگ کھا رہا ہو تو اُس کا مقام جہنم ہے۔ اُس وقت لوگ بہت خوفزدہ ہو گئے اور جن گھروں میں یتیم رہتے تھے، لوگوں

نے اُن سے فاصلہ اختیار کرلیا۔

کچھ لوگوں نے ان آیات سے ڈر کر یتیموں کو اپنے گھروں سے باہر نکال دیا اور کچھ لوگوں نے اُن کا کھانا علیحدہ کر دیا تا کہ اُن کا خرچ دوسرے کھانے میں شامل نہ ہو۔ اس سے یہ ہوا کہ یہ یتیم گھر کے ایک کمرے تک محدود ہو گئے۔ کھانا علیحدہ ہونے سے اُن کو یہ نقصان ہوا کہ ایک ہی کھانا کئی کئی اوقات میں کھانا پڑتا اور جو کھانا بچ جاتا، اُسے کوئی ہاتھ نہ لگاتا تھا۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ لوگ یتیموں کے مال کھانے کے مرتکب نہ ہوں۔ ان حالات کی وجہ سے یتیموں اور سرپرستوں دونوں کیلئے مشکلات پیدا ہو گئیں۔ لوگوں نے یہ معاملات رسولِ خداؐ کی خدمت میں پیش کئے اور اُن سے سوالات کئے۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (سورۂ بقرہ: آیت 220):

"وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْيَتٰمٰى. قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ. وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ. وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ. وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ. اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ".

"(اے پیغمبرؐ) تم سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو کہہ دو کہ اُن کیلئے اصلاح کے کام بہتر ہیں اور اگر اپنے کارِ زندگی کو اُن کے کارِ زندگی سے ملا کر چلو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مفسدوں کو بھی جانتا ہے اور مصلحوں کو بھی جانتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں زحمت میں ڈال دیتا (یہ حکم دے کر کہ یتیموں کے مال کو اپنے مالوں سے بالکل جدا رکھو) بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے"۔

یہاں قرآن یتیموں کے سرپرستوں کو ہدایت دے رہا ہے کہ سرپرستی اور ذمہ داری سے ہاتھ اُٹھالینا درست نہیں۔ بہتر یہی ہیں کہ اُن کی سرپرستی جاری رکھیں اور جو کام بھی اُن کے فائدہ کیلئے ہو، وہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کو جاننے والا ہے۔ وہ مفسدوں (بد نیت والوں) اور مصلحوں (نیک نیت والوں) دونوں کو جانتا ہے۔

اگر تم اُن کے کاموں کو اپنے کاموں کے ساتھ ملا کر انجام دو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ تمہاری غذا اور اُن کی غذا، تمہارے مال اور اُن کے اموال اگر ملا کر استعمال ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ خدا تو دلوں کے بھیدوں اور مقاصد کو جاننے والا ہے۔ اگر تمہاری نیت یتامیٰ کی اصلاح اور بہتری ہو تو پھر گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا زبردست طاقت والا اور حکمت والا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر سخت گیر نہیں۔ اگر وہ ایسا ہوتا تو وہ یہ حکم بھی دے سکتا تھا کہ تم اپنے اموال یتیموں کے اموال سے جدا رکھو۔ اس صورت میں تم سب کیلئے بہت مشکلات پیدا ہو جاتیں۔

یہ چند آیات کا ترجمہ اور تفسیر تھی جو یتیموں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس موضوع پر بہت سی روایات اور احادیث بھی ملتی ہیں۔ اُن میں سے چند ایک یہاں نقل کی جاتی ہیں:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اَوْعَدَ فِیْ مَالِ الْیَتِیْمِ عُقُوْبَتَیْنِ
اَمَّا اَحَدُھُمَا عُقُوْبَۃُ الْاٰخِرَۃُ النَّارُ وَاَمَّا عُقُوْبَۃُ الدُّنْیَا
فَھُوَ قَوْلُہٗ عَزَّوَجَلَّ وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَکُوْا مِنْ
خَلْفِھِمْ ذُرِّیَّۃً ضِعَافًا خَافُوْا عَلَیْھِمْ فَلْیَتَّقُوا اللّٰہَ

وَلْيَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً''.

اللہ نے یتیم کا مال کھانے والوں کیلئے دو سزائیں مقرر کی ہیں، ایک دنیوی اور دوسری اُخروی۔ آخرت میں اللہ نے یتیم کا مال کھانے والے کیلئے آتش جہنم کا وعدہ کیا ہے۔ البتہ دنیا میں جس کسی نے یتیموں پر ظلم کیا ہو اور اُن کا مال کھایا ہو، اُس کو ذہن میں یہ رکھنا چاہئے کہ کل کو اُس کے یتیموں پر بھی ایسا وقت آسکتا ہے اور اس کا اشارہ قرآن مجید میں بھی ملتا ہے۔

اُن کو چاہئے کہ خدا سے ڈریں (لوگوں کے) یتیموں کے بارے میں۔ تاکہ اگر کل کو وہ خود اپنے پیچھے عاجز اور ضعیف یتیم چھوڑ جائیں تو دوسرے اُن پر رحم کریں۔

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ یہ حقیقت ہے کہ یتیموں کے مال کو کھانے والا جلد ہی کیفر کردار تک پہنچ جائے گا اور اُس عمل کا نتیجہ اُس کی اولاد دیکھے گی اور وہ خود آخرت میں عذابِ آتش میں مبتلا ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو کوئی کسی پر ظلم کرے گا تو خداوند عالم ظلم وستم کرنے والے پر یا اُس کی اولاد پر یا اُس کی اولاد کی اولاد پر اُسی ظلم وستم کو مسلط کردے گا۔

باپ کے عمل کا اثر بیٹے پر کیوں؟

اگر یہ کہا جائے کہ کسی شخص نے ظلم وستم کیا اور مالِ یتیم کھایا تو اُس کے بچوں کا کیا قصور؟ وہ کیوں اپنے باپ کے عمل کی وجہ سے ظلم کا نشانہ بنیں؟ اور یہ عدل کے خلاف بھی ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کیوں باپ کے گناہ کا اثر بچوں پر مسلط ہونے دیتا ہے اور اُن کو ظالم کے ظلم سے کیوں نہیں بچاتا؟

اِن سوالات کا جواب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ امامؑ فرماتے ہیں کہ اگر باپ صالح آدمی ہو تو پروردگار اُس شخص کے صالح ہونے کی وجہ سے اُس کی اولاد کی حفاظت فرماتا ہے (یعنی یہ تو خدا کا فضل ہے اولاد پر باپ کی وجہ سے)۔

چنانچہ سورہ کہف کی آیت 82 میں ارشادِ خداوندی ہے:

”وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ. ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا“۔

”اور رہی دیوار سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں (رہتے) ہیں اور اس دیوار کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا (جو انہیں باپ سے میراث میں پہنچا ہے) اور ان کا باپ (جو مر گیا ہے وہ) ایک نیک آدمی تھا سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور اپنا دفینہ نکال لیں اور (یہ سارے کام میں نے الہامِ الٰہی سے کئے ہیں ان میں سے) کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ لیجئے یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا“۔

حضرت امام باقر علیہ السلام اپنے جد بزرگوار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز وہ تمام لوگ اس حالت میں محشور ہوں گے کہ اُن کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ پوچھا گیا:

”یارسولؐ اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟“

فرمایا: ”یہ وہ افراد ہوں گے جنہوں نے ظلم و ستم سے یتیموں کا مال کھایا“۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا گیا:

''سُئِلَ الرِّضَا(ع) کَم اَدنٰی مَایُدخَلُ بِهِ النَّارَ مَن اَکَلَ مَالَ الیَتِیمِ.قَالَ کَثِیرٌوَقَلِیلٌ وَاحِدٌ اِذَاکَانَ مِن نِیَّتِهِ اَن لَا یَرُدَّهُ''.

''یا بن رسولؐ اللہ! بتائیں کہ یتیم کے مال کی کم ترین مقدار کتنی ہے جس کو کھانے والا آتش جہنم میں داخل ہوگا؟''

امامؑ نے جواب دیا: ''مقدار کے کم اور زیادہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ کوئی شخص یتیم کا مال کھائے اور اُس کا واپس کرنے کا ارادہ نہ ہو''۔

وحشت ناک قبر

بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز امیر المؤمنین علیہ السلام آنکھوں کے درد میں مبتلا تھے اور درد کی شدت کی وجہ سے کراہ رہے تھے کہ اتنی دیر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کی غرض سے تشریف لائے۔ پیغمبرؐ اسلام نے پوچھا:

''یا علیؑ! آپؑ شدتِ درد کی وجہ سے کراہ رہے ہیں یا یہ کم صبری ہے؟''

علی علیہ السلام نے جواب دیا: ''یا رسولؐ اللہ! مجھے اس سے پہلے کبھی اتنی شدت سے درد نہیں ہوا''۔

پیغمبرؐ اسلام نے ایسی وحشت ناک خبر سنائی کہ علی علیہ السلام اپنا درد بھول گئے، وہ یہ تھی:

''یَا عَلِیُّ! اِنَّ مَلَکَ المَوتِ اِذَانَزَلَ یَقبِضُ رُوحُ الکَافِرِنَزَلَ مَعَهُ سَفُودُ مِن نَّارٍفَتَزَعُ رُوحَهُ بِهٖ

فَتُصِیحُ جهَنَّم،فَاستوٰی عَلِیٌّ جَالِساً فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه اَعِد عَلٰی حَدِیثِکَ فَقَد اَنسَانِی وَجعِی مَاقُلتَ، ثُمَّ قَالَ هَل یُصِیبُ ذٰلِکَ اَحدًا مِن اُمَّتِکَ قَالَ(ص) نَعَم حَاکِمٌ جَائِرٌوَاٰکِلُ مَالَ الیَتِیمِ ظُلمًا وَشَاهِدُ زُورٍ".

"جس وقت عزرائیل کافر کی روح قبض کرنے کیلئے آتے ہیں، وہ اپنے ہمراہ آگ کی سلاخیں بھی لاتے ہیں اور اُن سے وہ کافروں کی ارواح کو قبض کرتے ہیں۔ اس پر جہنم بھی فریاد کرتی ہے۔ اس کو سننے پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: یارسولؐ اللہ! یہ وحشت ناک خبر جو آپؐ نے ابھی سنائی، دوبارہ سنائیں۔ میں تو اس کو سننے کے بعد اپنے درد کو بھول گیا ہوں۔ کیا آپ کی اُمت میں بھی کوئی ایسا ہوگا جس کو اس طرح عذاب دیا جائے گا اور وہ اس طرح مرے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! مسلمانوں کے تین گروہ ایسے ہیں جن کی ارواح اس طرح قبض کی جائیں گی اور وہ یہ ہیں:

☆ ظلم وستم کرنے والا حاکم۔

☆ یتیم کا مال کھانے والا۔

☆ جھوٹی گواہی دینے والا"۔

اسی بناء پر حضرت علی علیہ السلام نے اس دنیا سے رحلت کے وقت یتیموں کے ساتھ نرم سلوک کیلئے سخت تاکید فرمائی:

"اَللّٰه اَللّٰه فِی الایتَامِ فَلا تَغبُوا اَفوَاهَهُم

وَلَا یُضِیعُوا بِحَضرَتِکُمْ".

"تم خدا کیلئے، تم خدا کیلئے، یتیموں پر مہربانی اور نوازش کو فراموش نہ کرنا اور کبھی اُن کے منہ کو بھوک کی وجہ سے کھلا نہ رہنے دینا اور اُن کو تباہ نہ ہونے دینا، جب تم موجود ہو"۔

یہ اُس وصیت میں سے مختصر اقتباس ہے جو حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے اکیس رمضان المبارک 40ھ کی شب کو اپنے بچوں کو فرمائی اور اُن تمام کو، جن تک یہ وصیت نامہ پہنچے۔

یتیم کا گریہ عرشِ الٰہی کو ہلا دیتا ہے

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اِذَابَکَی الیَتِیمُ اِهتَزَّ بُکَائُهُ العَرشَ فَیَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰی یَا مَلَا ئِکَتِی، هٰذَاالیَتِیمُ الَّذِی غِیبَ اَبُوهُ فِی التُّرَابِ یَا مَلَا ئِکَتِی اِنِّی اُشْهِدُکُم اَن لِمَن اَسکَتَهُ وَاَرضَاهُ. اَن اُرضِیهِ یَومَ القِیٰمَةِ".

"جب بھی یتیم گریہ کرتا ہے، عرشِ الٰہی کانپ جاتا ہے اور پھر خداتعالیٰ اپنے فرشتوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے میرے ملائکہ! گواہ رہنا کہ جو کوئی ان یتیموں کو چپ کروائے گا اور اُن کو راضی کرے گا یا اُن کے دل کو خوشی پہنچائے گا تو قیامت کے روز اُن کو خوش کرنا مجھ پر ہے"۔

یتیموں کو اذیت پہنچانے اور اُن کے اموال کھانے والوں کی مذمت میں بہت سی روایات اور احادیث ملتی ہیں۔ اُن میں سے صرف چند ایک کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔

لیکن جبرئیل علیہ السلام کی آرزو یہ تھی کہ:

''اے کاش! میں بشر ہوتا اور یتیم پر نوازش و مہربانی کرسکتا''۔

اب اس لئے کچھ روایات یتیموں پر مہربانی اور احسان کرنے کے بارے میں بھی یہاں درج کی جارہی ہیں:

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''مَن کَفَلَ یَتِیماً اَوجَبَ اللّٰهُ لَهُ الجَنَّةَ کَمَا اَوجَبَ جَهَنَّمَ عَلٰی اَکِلِ مَالِهِ''.

''جس کسی نے یتیم کی کفالت کی، اللہ نے اُس کیلئے جنت واجب کردی، جس طرح یتیم کا مال کھانے والے پر جہنم واجب کردی گئی ہے''۔

جنابِ رسولِ خدا کا ارشاد ہے:

''اَنَاوَ کَافِلُ الیَتِیمِ کَهَاتَینِ فِی الُجَنَّةِ اِذَا لَقِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالُوُسطیٰ''.

''میں اور یتیم بچے کی کفالت (اور سرپرستی) کرنے والا بہشت میں ایسے ہوں گے جیسے یہ میری دو انگلیاں۔ آپ نے اپنی شہادت کی انگلی اور وسط والی اُنگلی کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا یعنی میرے اور اُس کے درمیان کوئی حجاب اور جدائی نہ ہوگی''۔

ایک اور حدیث میں علی علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے پیغمبرِ اسلام نے ارشاد فرمایا:

''یا علیؑ! اگر کوئی یتیم کے سر پر دستِ شفقت پھیرے تو یتیم کے سر کے جتنے بال اُس کے ہاتھ کے نیچے سے گزریں گے، پروردگارِ عالم قیامت کے روز اتنے ہی نور اُس شخص

کو عطا فرمائے گا''۔

ایک اور موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لَا یَلِی اَحَدُکُمْ یَتِیْمًا فَیَحْسُنُ وَلَایَتَهُ وَوَضَعَ یَدُهُ عَلٰی رَاسِهٖ اِلَّا کَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِکُلِّ شِعْرَةٍ حَسَنَةً وَمَحیٰ عَنْهُ بِکُلِّ شِعْرِ سَیِّئَةً وَرَفَعَ لَهُ بِکُلِّ شِعْرَةِ دَرَجَةً''.

''جب بھی تم میں سے کوئی شخص کسی یتیم بچے کا سرپرست بنے اور محبت بھرے انداز میں اُس کی حفاظت و پرورش کرے اور شفقت کے ساتھ اُس کے سر پر ہاتھ پھیرے تو جتنے بال اُس کے ہاتھ کے نیچے سے گزریں گے تو اللہ تعالیٰ ہر بال کے بدلے اُس کو اُتنی ہی نیکیاں عطا کرے گا اور اُتنے ہی اُس کے گناہ معاف فرمائے گا اور اُس کا درجہ بلند کریگا''۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ ایک یتیم بچے کے کفیل اور سرپرست تھے۔ جب بھی غذا کھانے کیلئے بیٹھتے، اُس بچے کو اپنے پاس بٹھاتے اور اُس کے ساتھ ہی غذا کھاتے۔ کافی عرصہ اسی انداز سے وقت گزرا، یہاں تک کہ وہ بچہ قضائے الٰہی سے وفات پا گیا۔

جس دن وہ بچہ فوت ہوا، اُس شب حضورؐ نے کھانا نہ کھایا اور آپؐ نے اس کا بہت غم کیا۔ آپؐ کے اصحاب میں سے کسی نے آپؐ سے عرض کیا:

''آپؐ اس بچے کے وفات پا جانے پر اتنے رنجیدہ کیوں ہو گئے ہیں؟ اگر وہ بچہ فوت ہو گیا ہے تو کوئی حرج نہیں، ہم آپؐ کے لئے ایک اور یتیم بچہ لے آتے ہیں، آپؐ اُس کی سرپرستی فرمائیں''۔

حضورؑ نے جواب دیا: ''یہ بچہ (دوسرے بچوں سے بہت مختلف تھا) بہت بد اخلاق تھا۔ میں اُس کی بداخلاقی پر جتنا صبر کرتا تھا، پروردگار اُتنا ہی مجھے اجر دیتا تھا۔ اس طریقہ سے جو اجروثواب مجھے ملتا تھا، وہ کسی دوسرے سے نہیں مل سکتا''۔

حضرت علیؑ کی یتیم پروری

صاحبِ درالمطالب لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام کسی راستے سے گزر رہے تھے کہ آپؑ نے دیکھا کہ ایک غریب عورت کے بچے بھوک سے بلک رہے ہیں اور وہ عورت اُن کو کسی طرح مصروف رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس مقصد کیلئے اُس نے چولہے پر خالی پانی سے بھری دیگچی رکھی ہوئی ہے۔ اُس کے نیچے آگ جلا رکھی ہے تاکہ بچے یہ خیال کریں کہ اُن کی والدہ کھانا پکار ہی ہے اور وہ اسی آس میں رونا بند کر دیں اور تھوڑی دیر میں سو جائیں۔

اس منظر کو دیکھنے کے بعد علی علیہ السلام فوراً قنبر کے ہمراہ واپس منزل پر پہنچے۔ آپؑ نے کچھ کھجوریں، آٹا، چاول اور گھی لیا اور اُسے اپنے کندھے پر رکھ کر اُن بچوں کی طرف لوٹے۔ قنبر نے درخواست کی کہ یہ سامان وہ اُٹھالے لیکن امیر المؤمنینؑ نے قنبر کی درخواست کو قبول نہ کیا۔ جب اُس عورت کے گھر پر پہنچے تو اُس سے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر آپؑ نے ایک برتن میں چاول پکائے اور اُس وقت تک آپؑ نے بچوں کو بیدار رکھا جب تک کھانا پک کر تیار نہ ہو گیا۔ پھر اپنے ہاتھ سے اُن بچوں کو کھانا کھلایا، یہاں تک وہ بچے سیر ہو گئے۔

علی علیہ السلام نے بچوں کو خوش کرنے کیلئے اُن کے ساتھ کھیلنا شروع کیا اور بچوں کیلئے مانند چوپایا (بکری) اپنے ہاتھ اور زانو زمین پر رکھے اور بکری کی مخصوص آواز نکالنا شروع کی۔ اِن بچوں نے بھی یہ آواز یاد کر لی اور علی علیہ السلام کو دیکھتے ہوئے اسی طرح

کھیلنے اور ہنسنے لگے۔ کچھ دیر تک اسی طرح حضرت علیؑ اُن سے کھیلتے رہے، یہاں تک کہ بچے پہلے والی پریشانی بالکل بھول گئے اور کھیل کود میں مصروف ہو گئے۔ علی علیہ السلام باہر تشریف لے آئے۔

قنبر نے کہا: ''مولاؑ! آج میں نے دو چیزیں دیکھی ہیں، ایک کی تو مجھے سمجھ آگئی جبکہ دوسری چیز کو میں بالکل نہ سمجھ سکا یعنی پہلی چیز کہ اُن یتیم بچوں کیلئے سارا سامان آپؑ نے خود اُٹھایا اور مجھے اجازت نہ دی۔ آپؑ نے اس عمل کے عظیم اجر و ثواب کی خاطر ایسا کیا۔ لیکن دوسرا عمل کہ آپؑ نے بچوں کو بہلانے کیلئے چوپایا (بکری) جیسی آواز نکالی۔ اس کی مجھے سمجھ نہیں آئی کہ یہ آپؑ نے کیوں کیا؟''

امام المتقین علی علیہ السلام نے فرمایا: ''جب میں اُن کے گھر میں داخل ہوا تو بچے بھوک کی شدت کی وجہ سے سخت گریہ کر رہے تھے۔ میں نے چاہا کہ جب میں یہاں سے جاؤں تو بچے سیر بھی ہوں اور ہنستے مسکراتے بھی ہوں''۔

یتیموں پر احسان موجبِ بخشش ہے

شیخ بہائی اپنی کتاب ''کشکول'' میں لکھتے ہیں کہ بصرہ شہر کے اطراف میں ایک شخص فوت ہو گیا۔ چونکہ وہ گناہگار آدمی تھا، لہٰذا کوئی شخص بھی اُس کے تشیعِ جنازہ کیلئے نہ گیا۔ اُس کی بیوی نے کچھ مزدور لئے اور اُس کی میت کو جنازہ گاہ تک پہنچا دیا لیکن کوئی بھی اُس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کیلئے تیار نہ ہوا۔ اس پر اُس میت کو دفن کیلئے شہر سے باہر قبرستان لے جایا گیا۔

اُس قبرستان کے نزدیک ایک انتہائی نیک عابد و زاہد رہتا تھا جس کی پاکی و سچائی کو ہر کوئی مانتا تھا۔ جب اُس میّت کو لے کر قبرستان پہنچایا گیا تو یہ زاہد اُس میّت کے قریب پہنچ گیا اور لوگوں سے کہا کہ آؤ! اس پر نمازِ جنازہ پڑھیں۔ اُس نے خود بھی نمازِ جنازہ پڑھی۔

یہ خبر فوری طور پر پورے شہر میں پھیل گئی اور لوگ چونکہ اُس پر کافی اعتماد کرتے تھے، لہٰذا گروہوں کی صورت میں وہاں پہنچنے لگے اور اُس پر نمازِ جنازہ پڑھتے جاتے تھے۔

یہ عجیب منظر تھا کیونکہ پہلے تو کوئی بھی نماز پڑھنے کیلئے تیار ہی نہ تھا اور اب آہستہ آہستہ سارے شہر نے اُس پر نماز پڑھ لی۔ پھر اُسے دفنا دیا گیا۔

اب شہر کے لوگوں نے اُس زاہد سے پوچھنا شروع کیا کہ اُس کو اس میت کی خبر کس نے پہنچائی اور اُس نے سب سے پہلے اُس کی نمازِ جنازہ کیوں پڑھی؟

اُس زاہد نے جواب دیا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں مجھے حکم دیا گیا کہ قبرستان جاؤ، وہاں ایک جنازہ آرہا ہے اور اس جنازے کے ہمراہ صرف ایک عورت ہے۔ اُس کی نمازِ جنازہ ادا کرو کیونکہ وہ شخص بخشا جاچکا ہے۔

اُس زاہد نے اُس عورت سے پوچھا کہ بتا تیرا شوہر کونسا ایسا عمل کیا کرتا تھا جس کی وجہ سے وہ بخشا گیا ہے۔ اُس عورت نے بتایا کہ میرا شوہر دن رات شراب نوشی میں مصروف رہتا تھا۔ پھر اُس عورت سے پوچھا گیا کہ بتا کوئی نیک عمل بھی کرتا تھا۔ اُس عورت نے جواب دیا کہ ہاں! وہ تین نیک اعمال انجام دیتا تھا:

☆ رات کو جب وہ نشہ کی حالت سے باہر آتا تو رونا شروع کر دیتا اور خدا سے کہتا کہ اے پروردگار! مجھے جہنم کے کونسے حصے میں جگہ دے گا؟

☆ صبح ہوتے ہی غسل کرتا، وضو کرتا اور نماز پڑھتا تھا۔

☆ کسی وقت بھی اُس کے گھر میں دو یا تین یتیم بچوں سے کم یتیم بچے نہ ہوتے تھے جن کی وہ پرورش کرتا تھا اور وہ اُن پر جتنا مہربان اور شفیق تھا، اُتنا اپنے بچوں پر بھی نہ تھا۔

متفرقات

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:

''لَیْسَ مِنَ الْاَدَبْ اِظْھَارُ الْفَرحِ عِنْدَالْمَحْزُوْنِ''

'یہ چیز ادب سے بہت دور ہے کہ کوئی غمزدہ انسان کے سامنے اظہارِ خوشی کرے'

سعدی شیرازی نے اس حدیث کو اپنے شعروں میں اس طرح ڈھالا:

چوں بنی یتیمی سرافکندہ پیش
مزن بوسہ برروی فرزند خویش

''جب تیرے قریب کوئی یتیم بچہ سر جھکائے افسردہ بیٹھا ہو تو اُس وقت تو اپنے فرزند کو بھی نہ چوم''۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے گھروں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جہاں یتیم کا احترام کیا جائے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''اے پروردگار! یتیم اور بوڑھے جو ناتوان وکمزور ہیں، تو اُن کی مدد فرما کیونکہ کمسن، یتیم اور عمر رسیدہ افراد، جن کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو، وہ عاجز ومجبور ہو جاتے ہیں اور اُن کے پاس روزی کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ اُن کیلئے کوئی کام فراہم ہو سکے۔

پدر مردہ راسایہ برسر فگن
غبارش بیفشان و خارش بکن

''یتیم کے سر پر سایہ بن جا، اُس کے چہرے کے غبار کو دھودے اور اُس کے جسم سے کانٹے نکال دے (مشکلات کو حل کردے)''۔

ہم قارئین کیلئے فارسی کے مزید اشعار ذیل میں درج کرر ہے ہیں:

یتیم ارбگرید کہ نازش خرد
وگرخشم گیرد کہ بارش برد

الا تا نگرید کہ عرشِ عظیم
بلرزد همی چون بگرید یتیم
بہ رحمت بکن آبش از دیدہ پاک
بشفقت بیفشانش از چہرہ پاک

اگر سایہ ای خود برفت از سرش
تو درسایۂ خویشتن پرورش

من آنکہ سر تاجور داشتم
کہ سر برکنارِ پدر داشتم

اگر بروجودم نشستی مگہن
پریشان شدی خاطر چندکس

کنون دشمنان گر برندم اسیر
نباشد کس از دوستانم نصیر

مرا باشد از رنج طفلان خبر
کہ در طفلی از سر برفتم پدر

حضرت علیؑ کے نزدیک یتیم کون؟

حضرت علی علیہ السلام چند اشعار میں یتیم واقعی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصلی یتیم وہ نہیں جس کا باپ فوت ہو جائے بلکہ معاشرے کے وہ افراد ہیں جن کی کوئی تعلیم وتربیت نہ ہو سکی ہو۔ وہ فرماتے ہیں:

"کُنْ اِبْنِ مَنْ شِئْتَ وَاکْتَسِبْ أدَباً

یُغْنِیْکَ مَحْمُودَ عَنِ النَّسَبِ

فَلَیْسَ یُغْنِیَ الحَسِیبَ نِسْبَتَهُ

بِلالِسَانٍ لَهُ وَلَا أدَب

اِنَّ الفَتیٰ مَنْ یَقُولُ هَا اَنَا ذَا

لَیسَ الفَتیٰ مَنْ یَقُولُ کَانَ اَبِی

"تو جس کا بیٹا ہے، اُسی کا بیٹا رہ مگر ادب وکمالات کو حاصل کرنے کی کوشش کر کیونکہ یہ انسان کے ادب وکمالات ہیں جو انسان کو اپنے قبیلہ کے، قوم کے اور باپ کے نسب سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ شخصیت انسان کے ذاتی کمالات سے ہے جن کی بناء پر وہ کہہ سکتا ہو کہ میں یہ ہوں۔ لیکن اگر انسان میں کوئی کمال نہ ہو اور وہ یہ کہے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں تو اس سے اُسے کوئی مقام نہیں ملتا"۔

اسی طرح کے مطلب کا ایک فارسی شعر بھی ملاحظہ ہو:

فرزند ہنر باش نہ فرزند پدر

فرزند ہنر زندہ کند نامِ پدر

لَیسَ البَلِیۃُ فِی اَیَّامِنَا عَجَباً

بَلِ السَّلَامَۃُ فِیھَا اَعُجَبُ العَجَب

''ہمارے آج کے زمانہ میں کسی اخلاقی بیماری میں مبتلا ہوجانا کوئی عجیب بات نہیں لیکن حقیقت میں بڑی عجیب بات تو یہ ہے کہ آج کے ماحول میں کوئی انسان ہرقسم کی اخلاقی بیماریوں سے دور ہواور پھر صحیح وسالم ہو''۔

لَیسَ الجَمَالُ بِأَثوَابِ تَزِیُنُھَا

اِنَّ الجَمَالَ جَمَالُ العِلمِ وَالاَدَب

''انسان کی خوبصورتی اچھے لباس کے پہننے میں نہیں بلکہ اصل خوبصورتی تو اُس کے علم وادب میں ہے''۔

لَیسَ الیَتِیمُ الَّذِی قَدمَاتَ وَالِدُہٗ

اِنَّ الیَتِیمَ یَتِیمُ العَقلِ وَالحَسَب

''یتیم وہ نہیں جس کا باپ فوت ہوجائے بلکہ اصل یتیم وہ ہے جس کے پاس عقل وہنر نہ ہو(اوروہ تعلیماتِ دینی سے بےخبرہو)''۔

امیرالمؤمنینؑ کے ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں یتیم وہ بھی ہیں جن کے پاس کوئی علم وہنر نہ ہو، جوتعلیماتِ دینی سے بے بہرہ ہوں، اُن پر بھی توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

پانچویں آرزو

مریضوں کی عیادت کرنا

مریضوں کی عیادت کا ثواب

زیرِ بحث حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی پانچویں آرزو مریضوں کی عیادت کرنا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان بھائی کا مسلمان بھائی پر حق یہ ہے کہ جب وہ ملے تو اُسے سلام کرے اور اگر مریض ہو جائے تو اُس کی عیادت کرے۔ اگر وہ اس دنیا سے انتقال کر جائے تو اُس کی نمازِ جنازہ پڑھے۔

مریض کی عیادت کی اہمیت تو اس سے ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ خدا کا ہمسایہ ایک یہودی تھا، جب بھی وہ بیمار ہوتا، پیغمبرؐ اُس کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے۔

عیادت کیسے کی جائے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مریض کی عیادت اُس وقت مکمل ہوگی جب تم میں سے جو عیادت کرنا چاہتا ہے، وہ مریض کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر اُس سے اُس کی طبیعت کے بارے میں پوچھے اور یہ بھی پوچھے کہ اُس کے دن رات کیسے گزر رہے ہیں!

ایک اور حدیث میں امیر المؤمنین علیہ السلام اس طرح فرماتے ہیں:

''عیادت کرنے والے کو اس صورت میں بہت اجر وثواب ملے گا جب وہ مریض کے پاس بہت دیر تک نہ بیٹھے (ممکن ہے مریض زیادہ دیر تک گفتگو کا متحمل نہ ہو یا وہ پریشانی اور درد میں مبتلا ہو) سوائے اس کے کہ خود مریض عیادت کرنے والے سے زیادہ

بیٹھنے کا تقاضا کرے اور اُس کے بیٹھنے سے مریض راحت محسوس کرے''۔

عیادت کرنے والے کے ساتھ فرشتے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی مؤمن کسی دوسرے مؤمن کی عیادت کیلئے جاتا ہے اور وہ یہ عیادت دن کے وقت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اُس کے ساتھ ہوتے ہیں جو خدا سے اُس کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں، یہاں تک کہ رات ہو جائے۔ جب عیادت کرنے والا شخص مریض کے پاس پہنچتا ہے تو رحمتِ خدا اُس کو اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے۔

اگر عیادت کرنے والا شخص رات کے وقت مریض کی عیادت کیلئے جاتا ہے تو اُس کو اسی طرح اجر وثواب ملتا ہے، یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔

عیادتِ بندہ، عیادتِ خدا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

جب قیامت برپا ہوگی تو لوگوں سے کہا جائے گا کہ اپنے پروردگار کی طرف جلدی کرو۔ اللہ تعالیٰ اُس وقت مؤمن سے حساب میں آسانی کرتے ہوئے فرمائے گا: اے میرے بندے! بتا کہ جب میں مریض ہوا، تو نے عیادت کیوں نہ کی؟ مؤمن اُس کے جواب میں کہے گا کہ پروردگار! تو میرا خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے لئے کیسے ممکن ہے کہ تجھے درد و تکلیف پہنچے اور تو مریض ہو، تو زندۂ جاوید ہے۔

اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا کہ اگر کوئی شخص کسی مریض کی عیادت میری خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کرے گا تو وہ ایسے ہی ہے جیسے اُس نے میری عیادت کی ہو۔

پھر ارشادِ خدا ہوگا کہ اے میرے بندے! تو فلاں ابن فلاں کو جانتا ہے؟

تو بندہ عرض کرے گا کہ ہاں میرے پروردگار!

ارشادِ خدا ہوگا کہ تو بتا جب وہ مریض ہوا تو تُو نے اُس کی عیادت کیوں نہ کی؟ اگر تُو نے اُس کی عیادت کی ہوتی تو ایسے ہی تھا جیسے تو نے میری عیادت کی اور جب تو اُس کے پاس بیٹھا ہوتا تو تُو مجھے وہاں پاتا اور جو بھی اُس وقت مجھ سے مانگتا، میں پروردگار اُس وقت اُس مریض کی خاطر تیری کوئی دعا رد نہ کرتا۔

محترم مؤمنین و مؤمنات! کیا واجب اعمال کے بعد کوئی اور عمل ایسا ہے جس کا ثواب اس حد تک پہنچا ہو جتنا ایک مریض کی عیادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ وہ عمل ہے جس کیلئے فرشتے صبح سے شام اور شام سے صبح تک عیادت کرنے والے کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ رحمتِ خدا عیادت کرنے والے کے اوپر سایہ فگن ہوتی ہے اور خدائے بزرگ و برتر کسی مؤمن کی عیادت کو اپنی عیادت تصور کرتا ہے۔

پس کوئی بھی لاپرواہی کرتے ہوئے مریض کی عیادت کرنے سے گریز نہ کرے کیونکہ قیامت کے روز اس کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا کہ اے میرے بندے! تو نے بغیر کسی عذر کے میرے مریض بندے کی عیادت کیوں نہ کی؟

پس حضرت جبرئیل کی آرزو کہ ''اے کاش! میں بشر ہوتا تو مریضوں کی عیادت کرتا'' بے جا اور بے محل نہیں کیونکہ اس کی اہمیت ہی بہت زیادہ ہے۔

آیئے! ہم کچھ اور متفرق چیزوں کو بھی دیکھتے ہیں جو اس سے وابستہ ہیں۔

متفرقات

اس میں کوئی شک نہیں کہ مریض کی عیادت کرنا بہت اجر و ثواب کا حامل ہے لیکن کسی کا بیماری میں مبتلا ہو جانا بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں۔ اسلامی تعلیمات میں ''ثواب المریض'' کے عنوان سے باقاعدہ باب ہے اور ہر کسی کا اس سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ اگر

خدانخواستہ کوئی مریض ہو جائے تو اُسے بہت زیادہ پریشان اور نا اُمید نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کا اجر وثواب ملتا ہے۔اس ضمن میں چند ایک روایات یہاں درج کی جا رہی ہیں:

درد اور مرض کا ثواب

1۔ حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی مرض کی وجہ سے بے خواب رہنا اجر وثواب سے خالی نہیں بلکہ اس کا ثواب ایک سال کی عبادت سے بھی بہتر ہے۔

2۔ حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین علیہما السلام نے فرمایا کہ ایک رات کا بخار آنا ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے کیونکہ اس بخار کا اثر بدن میں ایک سال تک رہتا ہے۔

3۔ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہما السلام فرماتے ہیں کہ مرض (سب کیلئے یکساں نہیں) مؤمن کیلئے (گناہوں سے) پاک کرنے والا ہے اور رحمتِ خدا ہے۔ کافر کیلئے عذاب اور لعنتِ خدا ہے۔ مرض مؤمن کے پیچھے رہتا ہے، یہاں تک کہ اُس کے گناہ ختم ہو جائیں۔

4۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک رات دردِ سر میں مبتلا رہنا مؤمن کے تمام گناہوں کو، سوائے گناہانِ کبیرہ کے، ختم کر دیتا ہے۔

5۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دوست رکھتا ہے اور اُس کی طرف نظر کرتا ہے تو اُس کو تین تحفوں میں سے ایک تحفہ دیتا ہے، یا تو اُسے بخار آتا ہے یا اُس کو آنکھ میں درد ہوتا ہے اور یا پھر سر درد میں مبتلا ہوتا ہے۔

6۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ حقیقت میں جب مؤمن مریض ہوتا ہے تو

اللہ تعالیٰ اپنے اُن فرشتوں کو، جو گناہ لکھنے پر مامور ہیں، ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو! جب تک میرا یہ بندہ (مرض کے) قیدو بند میں گرفتار ہے، اس کے گناہ نہ لکھنا اور اپنے اُن فرشتوں کو، جو نیکیاں لکھنے پر مامور ہیں، ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو! میرے اس بندے کی وہ نیکیاں جو تم اس کی صحت کے زمانہ میں لکھتے تھے، لکھتے جاؤ۔

یہ چند ایک روایات تھیں جن کے تحت مریض کو مرض کے درد و الم برداشت کرنے پر اجر و ثواب ملتا ہے۔

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اس طرح تو مریض جان بوجھ کر علاج معالجہ نہ کروائے گا تاکہ زیادہ ثواب کا مستحق قرار پائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح نہیں کہ ہم مرض کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلیں اور اُس کا کوئی علاج ہی نہ کروائیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے اور ہمیں چاہئے کہ اُس کے ذریعہ سے مرض کا علاج کریں لیکن اس میں اہم بات یہ ہے کہ انسان کیلئے جہاں تک ممکن ہو، مرض کے درد و تکلیف کو برداشت کرے۔ یہی چیز اس کیلئے بہتر ہے، نہ کہ معمولی سے مرض پر ہی چیخ و پکار اور دوائیاں شروع کردے۔ اس بارے میں حضورؐ اکرم فرماتے ہیں:

''اپنی تکالیف کا علاج کراؤ کیونکہ خدا نے جس مرض کو بھی پیدا کیا ہے، اُس کی دوا کو بھی پیدا فرمایا ہے۔ البتہ ایک اور روایت میں ہے کہ جہاں تک تمہارا بدن تکلیف کو برداشت کرسکتا ہے، اُسے برداشت کرو اور جب دیکھو کہ مرض کی تکلیف تمہاری برداشت سے زیادہ ہورہی ہے تو فوراً دوا لو۔

بہترین طبی دستورالعمل بھی درِ اہلِ بیتؑ سے ملتا ہے۔ اگر انسان ان پر عمل پیرا

ہو جائے تو صحت وتندرستی کو بہترین حالت میں برقرار رکھ سکتا ہے۔نمونہ کے طور پر چند ایک روایات یہاں درج کی جارہی ہیں:

1۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے فرزند حسن علیہ السلام سے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایسا راز بتادوں جس پر عمل کرنے سے تم دوا اور حکیم سے بے نیاز ہو جاؤ؟

امام حسن علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ کیوں نہیں بابا جان!

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: بیٹے حسنؑ! جب تک تمہیں بھوک نہ لگے، دسترخوان پر نہ بیٹھو اور ابھی بھوک باقی ہو تو کھانے سے اپنا ہاتھ اُٹھالو۔ غذا کو اچھی طرح چبا کر کھاؤ اور سونے سے پہلے رفع حاجت کیلئے جاؤ۔ اگر تم نے ان پر عمل کیا تو طب اور طبیب سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔

2۔ حضرت امام علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر لوگ غذا کھانے میں زیادتی نہ کریں (کم غذا کھائیں) تو اُن کے اجسام صحیح وسالم رہیں گے۔

فارسی میں ایک ضرب المثل ہے:

کم بخور ہمیشہ بخور

''کم کھاؤ مگر ہمیشہ کھاؤ''

قیامت میں بیمار کے درجات

1۔ ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا: ''بتاؤ تم میں سے کون ہے جو صحت وسلامتی کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ مریض نہ ہو؟'' اصحاب نے عرض کیا: ''ہم سب یہی چاہتے ہیں''۔

پس حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: ''کیا تم چاہتے ہو کہ گدھے کی مانند گم ہو جاؤ؟ کیا تم یہ

نہیں چاہتے کہ اُن میں سے ہوجاؤ جن کے امراض اُن کے گناہوں کا کفارہ بن جائیں؟''

پھر پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: ''مجھے قسم ہے اُس پروردگار کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، بہشت میں انسان کیلئے ایسے بلند درجات ہیں جو اعمال (صالحہ) میں سے کسی عمل سے حاصل نہیں کئے جا سکتے مگر سوائے بلا ومصیبت کو صبر وتحمل سے برداشت کرنے پر حاصل ہوتے ہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ جب بھی اپنے کسی بندے کو دوست رکھتا ہے، اُس کو ایک بڑے امتحان میں ڈال دیتا ہے۔ اگر بندہ اُس کو صبر واستقامت سے برداشت کرلے تو اُس کیلئے اللہ تعالیٰ کے پاس بڑے درجات ہیں اور اگر اُن پر بے اطمینانی اور بے صبری کا اظہار کرے تو خدا بھی اُس پر غضبناک ہوتا ہے۔

2۔ اگر مؤمن کو پتہ چل جائے کہ مرض کی مشکلات برداشت کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا تو وہ ایک لمحے کیلئے بھی مرض سے جدائی پسند نہیں کرے گا۔

3۔ آپؐ نے ایک اور مقام پر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: ''اے میرے پروردگار! میں ایسی بیماری کو دوست نہیں رکھتا جس کی وجہ سے کمزوری ہوجائے اور اس کمزوری کی وجہ سے تیری عبادت میں خلل آئے اور نہ ہی میں ایسی صحت وتندرستی کو دوست رکھتا ہوں جو تیری یاد کو مجھ سے دور کردے بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اس کے بین بین رہوں، کبھی مریض اور کبھی تندرست۔ جب مریض ہوجاؤں تو تیری یاد آئے اور جب تندرست ہوجاؤں تو تیرا شکر ادا کروں''۔

4۔ روایت کی گئی ہے کہ ابودردا بیمار ہوگئے۔ کچھ لوگ اُن کی عیادت کیلئے آئے۔

عیادت کرنے والوں نے پوچھا: ''اے ابودردا! تمہیں کس سے شکایت ہے؟''

ابودردا نے جواب دیا: ''اپنے گناہوں سے''۔

پھر پوچھا گیا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ میں اپنے پروردگار سے مغفرت چاہتا ہوں۔ لوگوں نے پھر پوچھا کہ کیا تو نہیں چاہتا کہ تیرے لئے کسی طبیب کو بلائیں تو ابودردا نے جواب دیا کہ طبیب نے خود ہی مجھے مرض میں مبتلا کیا ہے (ابودردا کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف تھا)۔ لوگوں نے کہا: تجھے چاہئے کہ طبیب سے معلوم کرے کہ اُس نے تجھے مرض میں کیوں مبتلا کیا ہے؟

ابودردا نے جواب دیا: ''میں نے پوچھا ہے اور اُس عظیم طبیب کا جواب یہ ہے کہ میں جس چیز کا ارادہ کرتا ہوں، وہ ہو جاتا ہے''۔

5۔ روایت کی گئی ہے کہ ایک شخص بیمار ہو گیا۔ اُس سے کہا گیا کہ تو اپنا علاج کرا اور دوا کھا تاکہ بیماری سے چھٹکارہ حاصل ہو۔ وہ کہنے لگا کہ قومِ عاد (حضرت ہود کی قوم)، قومِ ثمود (حضرتِ صالح کی قوم) اور اصحابِ رس (حضرتِ شعیب کے اصحاب) اور وہ لوگ جو ان زمانوں میں گزرے، ان کے وقتوں میں بڑے بڑے حکماء اور مؤثر ادویات موجود تھیں لیکن نہ تو طبیبوں اور حکیموں کے نسخوں میں اثر رہا اور نہ ہی دواؤں میں۔ لہٰذا حکیم و مریض سب ختم ہو گئے۔ اگر قرار یہ ہو کہ صرف دوائیں ہی مرض روکتی ہیں تو پھر نہ تو حکیموں کو مرنا چاہئے تھا اور نہ بادشاہوں کو۔

6۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بخار موت کا جاسوس ہے اور یہ زمین پر خدا کا زندان ہے۔ بخار کی حدت جہنم کی گرمی ہے لیکن مؤمن کیلئے یہ عجیب بخشش ہے۔ بخار مؤمن

کے ہر عضوِ بدن کو بلا سے نجات دیتا ہے۔ مؤمن کیلئے یہ ہرگز بہتر نہیں کہ وہ کبھی بخار میں مبتلا نہ ہو کیونکہ مؤمن جب ایک مرتبہ بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُس کے تمام گناہ درخت کے پتوں کی طرح گر جاتے ہیں۔

اگر کوئی مریض بستر بیماری پر کراہتا ہے تو وہ پروردگار کی تسبیح کے مترادف ہے۔ اگر وہ فریاد کرتا ہے تو اُس کا ثواب لا الہ الا اللہ پڑھنے کے برابر ہے۔ اگر وہ بیماری کی شدت کی وجہ سے پہلو بدلتا ہے تو وہ ایسے ہے گویا کوئی مجاہد راہِ خدا میں تلوار چلا رہا ہو۔ اگر کوئی بیماری کی حالت میں عبادتِ خدا کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کو بخش دیتا ہے۔

7۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار کے حضور مناجات میں عرض کرتے تھے: اے میرے رب! مجھے مریض کی عیادت کے ثواب سے آگاہی عطا فرما۔ جواب آیا کہ ہم اُس کے گناہوں کو بخش دیتے ہیں اور وہ شخص ایسے ہو جاتا ہے جیسے ابھی پیدا ہوا ہو۔ اس کے علاوہ اُس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو قیامت تک اُس کیلئے بخشش و مغفرت طلب کرتا رہے گا۔

حضرتِ موسیٰؑ نے عرض کیا کہ جو مریض کو نہلائے دھلائے، اُس کا ثواب کیا ہے؟ جواب آیا کہ اُس کے گناہوں کو بخش دیں گے اور وہ ایسے ہو جائے گا جیسے ابھی پیدا ہوا ہو۔

8۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیمار کی عیادت کرنے والا رحمتِ الٰہی میں غرق ہوگا اور یہ اُس کیلئے مستحب ہے کہ وہ بیمار کے حق میں دعا کرے۔ اسی طرح بیمار پر بھی مستحب ہے کہ وہ عیادت کرنے والے کے حق میں دعا کرے کیونکہ بیمار کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

مومن کبھی خودکشی سے نہیں مر سکتا

ناجیہ کہتی ہے کہ میں نے امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ مغیرہ کہتا ہے: ''مؤمن مرضِ جذام سے نہیں مر سکتا''۔ امامؑ نے فرمایا: وہ صاحب یاسین (حبیب نجار جس کا تذکرہ سورۂ یٰسین میں آیا ہے) کے حالات سے واقف نہیں۔ اُس کے ہاتھ (ایسے) مڑے ہوئے تھے (اُس وقت امامؑ نے اپنے ہاتھ اُس طرح کر کے دکھائے)۔

پھر آپؑ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ کس طرح اپنے مڑے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ لوگوں کے درمیان آیا اور اُس نے اُن کو نصیحت کی۔ پس اگلے دن وہ لوگ آئے اور اُس کو قتل کر دیا۔

امامؑ نے پھر فرمایا: مؤمن کیلئے ممکن ہے کہ اُس پر ہر بلا آ سکتی ہے اور وہ ہر مرض میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے لیکن وہ کبھی خودکشی سے نہیں مر سکتا (اللہ نے خودکشی حرام قرار دی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کا اظہار ہے)۔

بیماری کی تکلیف کا ثواب

عبداللہ ابن ابویعفور کہتے ہیں کہ میں ایک مدت تک بیمار رہا اور اس دوران مجھے جتنی تکلیف پہنچی اور درد ہوا، اُس کی شکایت اپنے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اے عبداللہ! اگر مؤمن کو پتہ چل جائے کہ جو مشکلات اور تکالیف اُسے پہنچی ہیں، اُن کا کتنا ثواب ہے تو وہ آرزو کرے گا کہ اُس کے جسم کو قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے''۔

مومن کبھی کوردل نہیں مرتا

محمد بن بہلول عبدی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: خدا نے مؤمن سے سخت ترین تکالیف اور دل کو ہلا دینے والی بیماریوں سے پناہ کا وعدہ نہیں کیا لیکن اُس سے دنیا میں دل کے اندھے پن (حق کو نہ پہچاننا) اور آخرت کی سختی سے نجات کا وعدہ فرمایا ہے۔

بیماری اور بلا، خدا کی مہربانی

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کسی شخص نے پیغمبرؐ خدا کو کھانے کی دعوت پر بلایا۔ جب پیغمبرؐ خدا اُس شخص کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک مرغی نے دیوار پر انڈا دیا ہے اور یہ انڈا کھسک کر نیچے گرا لیکن زمین تک پہنچنے کی بجائے راستے ہی میں ایک لوہے کی سلاخ میں اٹک کر صحیح سلامت رہ گیا۔ پیغمبرؐ اسلام اس منظر کو دیکھ کر مسکرائے بھی اور تعجب بھی کیا۔ اِس پر اُس میزبان نے عرض کیا:

''یارسولؐ اللہ! مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث فرمایا ہے، میں نے آج تک کوئی مصیبت نہیں دیکھی''۔

رسولِؐ خدا اُس شخص کی یہ بات سن کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس کی غذا کو نہ کھایا اور جاتے وقت فرمایا کہ جس کسی نے آج تک مصیبت نہیں دیکھی، خدا کی اُس پر کوئی توجہ نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک بندے کے لئے ایک ایسا مقام ہے جہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا سوائے دو ہی راستوں کے، اُس کا مالی نقصان ہو جائے یا اُس کے بدن پر کوئی مصیبت اور تکلیف آ جائے۔

آپؑ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر مؤمن کا دل آزردہ نہ ہوتا تو میں کافر کے سر کو لوہے کے رومال سے باندھ دیتا کہ اُسے ہر گز سر درد نہ ہو (اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کافر دنیا میں مریض نہ ہوتا تو مومن کا دل آزردہ ہو جاتا۔ خدا کافر کو دنیا میں سر درد بھی نہیں دینا چاہتا جبکہ مومن کو اجر و ثواب عطا کرنے کیلئے یہ دینا چاہتا ہے)۔

ایک دن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ملعون ہے وہ مال جس میں سے زکوٰۃ نہ دی جائے۔ ملعون ہے وہ جسم جس سے زکوٰۃ نہ دی جائے، اگرچہ چالیس دنوں میں ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہو۔

اصحاب نے عرض کیا: ''یارسولؐ اللہ! مال کی زکوٰۃ کو تو ہم جانتے ہیں مگر یہ جسم کی زکوٰۃ کیا ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''جسم کوئی آفت یا مصیبت دیکھے''۔

اس کو سننے پر تمام صحابہ کے رنگ اُڑ گئے اور وہ متحیر ہو گئے۔ رسولِ خدا نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمایا:

''کیا آپ میرے مقصد کو سمجھے ہیں؟''

اصحاب نے جواب دیا: ''نہیں! یارسولؐ اللہ''۔

اس پر رسولِؐ خدا نے فرمایا: ''کبھی ممکن ہے انسان کے جسم پر خراش آجائے یا اُس کا پاؤں کسی پتھر سے ٹکرا جائے اور وہ لرز جائے۔ کبھی بیمار ہو جائے یا کانٹا اُس کے بدن میں چبھ جائے یا اسی طرح کی کوئی اور چھوٹی موٹی تکلیف، حتیٰ کہ آنکھ کا پھڑکنا بھی اس میں شامل ہے''۔

گو اس ضمن میں بہت سی روایات ملتی ہیں لیکن ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دین و دنیا کی عافیت چاہتے ہیں۔

چھٹی آرزو

تشییعِ جنازہ میں شرکت کرنا

تشییعِ جنازہ کا ثواب

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حدیثِ مذکور میں چھٹی آرزو یہ تھی کہ

''اے کاش! میں بشر ہوتا اور تشییعِ جنازہ میں شرکت کرسکتا''۔

(تشییعِ جنازہ سے مراد مردے کو غسل دینا، کفن دینا، نماز پڑھنا اور اسلامی طریقہ سے بااحترام دفن کرنا ہے)۔

اس باب کے ذیل میں گو بہت سی روایات ملتی ہیں لیکن ہم اُن میں سے صرف چند ایک کا یہاں ذکر کریں گے:

1۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے مقامِ مناجات پر (خداوند کریم سے) عرض کیا: ''پروردگار! جو شخص تشییعِ جنازہ کرے، اُس کا کتنا اجروثواب ہے؟''

ارشادِ خداوندی ہوا: ''اے موسیٰؑ! جو کوئی تشییعِ جنازہ کرتا ہے، میں اُس کیلئے فرشتوں کو مامور کردیتا ہوں کہ جب یہ شخص اپنی قبر سے اُٹھے تو یہ قبر سے لے کر میدانِ محشر تک اُس کی ہمراہی کریں''۔

2۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''جب بھی کوئی شخص کسی جنازے کی تشییع کرتا ہے تو اُس کے ہر قدم کے بدلے پروردگارِ عالم اُسے ایک کروڑ نیکیوں کا ثواب عطا کرتا ہے اور اسی طرح ہر قدم کے بدلے ایک کروڑ گناہ اُس کے

نامہٗ اعمال سے محو کردیئے جاتے ہیں اور اُس کا درجہ کروڑ گنا بلند ہوجاتا ہے۔ اگر وہ نمازِ جنازہ میں شرکت کرتا ہے تو خود اُس کی نمازِ جنازہ میں ایک کروڑ فرشتے شرکت کریں گے اور اُس کیلئے مغفرت طلب کریں گے۔ اگر وہ شخص دفنِ میت تک ساتھ رہے تو وہی فرشتے قیامت تک اُس کیلئے مغفرت طلب کرتے رہیں گے''۔

امام محمد باقرؑ اور تشیعِ جنازہ

محدث قمی کتاب ''منتہی الامال'' میں زرارہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت امام باقر علیہ السلام ایک قریشی کے تشیعِ جنازہ کیلئے تشریف لے گئے۔ میں بھی وہاں موجود تھا اور علامہ عطاء جو اس وقت مکہ کے مفتی تھے، وہاں دوسرے لوگوں کے ساتھ موجود تھے۔

اس اثناء میں وہاں ایک عورت کے بین کرنے اور رونے کی آواز بلند ہوئی۔ علامہ عطاء نے اُس عورت سے کہا کہ خاموش ہوجاؤ وگرنہ ہم واپس چلے جائیں گے۔ اُس عورت نے رونا بند نہ کیا اور علامہ عطاء واپس چلے گئے۔

میں نے امام باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ عطاء واپس چلے گئے۔ آپؑ نے پوچھا کہ کیوں واپس چلے گئے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ عورت جو گریہ وزاری اور بین کررہی ہے، اس کو عطاء نے کہا تھا کہ رونا بند کرو ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا۔ اُس عورت نے رونا بند نہ کیا، لہٰذا وہ واپس چلے گئے۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ آؤ ہم تشیعِ جنازہ کریں۔ اگر ہم باطل (رونے) کی وجہ سے واپس چلے جائیں تو ہم نے حق ادا نہ کیا۔

زرارہ کہتا ہے کہ جب نمازِ میت سے فارغ ہوئے تو وارثِ میت نے آکر امامؑ

کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپؑ پر رحمتیں نازل فرمائے اور عظیم اجر عطا فرمائے، چونکہ آپؑ زیادہ پیدل نہیں چل سکتے، لہٰذا آپؑ یہیں سے واپس چلے جائیں۔

امام باقر علیہ السلام نے وارثِ میت کی طرف سے یہ تجویز قبول نہ کی۔ اُس وقت (زرارہ) نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ شخص خود آپؑ کو واپس لوٹنے کی اجازت دے رہا ہے اور میں بھی یہ چاہ رہا تھا کہ آپؑ سے واپس لوٹنے کی درخواست کروں۔

امام باقر علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ اپنے مقصد کو پورا کرو کیونکہ ہم اس شخص کی اجازت سے نہیں آئے کہ اب اس کی اجازت سے واپس پلٹیں بلکہ ہم تو یہ عمل اُس اجر کی خاطر انجام دے رہے ہیں جس کو ہم چاہتے ہیں کیونکہ انسان کو اُتنا ہی اجر و ثواب ملے گا جتنا وہ تشییعِ جنازہ کرے گا۔

امام علیؑ ابن موسیٰ رضا اور تشییعِ جنازہ

ابن شہر آشوب، موسیٰ بن سیار سے روایت کرتے ہیں کہ اُس نے کہا کہ ایک روز جب حضرت امام علی ابن موسیٰ رضا علیہما السلام اور میں شہر طوس کی دیواروں کے نزدیک پہنچے تو میں نے وہاں رونے اور واویلا کرنے کی آوازیں سنیں۔ جب ہم اُن آوازوں تک پہنچے تو ہم نے وہاں ایک جنازہ دیکھا۔ امام علی ابن موسیٰ رضا علیہما السلام نے رکاب سے پاؤں نکال لئے اور گھوڑے سے اُتر کر پیدل چلنے لگے۔ اُس جنازہ کے قریب پہنچے اور آپؑ اُس جنازے کے ساتھ ایسے چپکے جیسے نوزائیدہ بچہ اپنی ماں سے چپکتا ہے۔

اس کے بعد امامؑ میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا: اے موسیٰ! جو کوئی ہمارے کسی ماننے والے کی تشییعِ جنازہ کرتا ہے، وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔

جیسے ہی اُس جنازے کو قبر کے پاس زمین پر رکھا گیا تو میں نے دیکھا کہ امام رضا

علیہ السلام اُس میت کی طرف متوجہ ہوئے۔ لوگوں کو راستے سے پیچھے ہٹایا اور خود جنازے کے قریب پہنچ گئے۔ اپنے دستِ مبارک کو میت کے سینے پر رکھا اور اُس سے کہا:

''اے فلاں ابن فلاں! تجھے بہشت کی خوشخبری مبارک ہو۔ اس کے بعد تجھے کوئی ڈر اور خوف نہ ہوگا''۔

میں نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: ''کیا آپؑ اس میت کو جانتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے آپؑ اس سرزمین پر کبھی نہیں آئے؟''

آپؑ نے فرمایا: ''اے موسیٰ! کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے شیعوں کے اعمال ہر صبح و شام ہمارے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اُن کی تقصیریں اور گناہ ہماری نظروں کے سامنے ہوتے ہیں۔ ہم خدا سے اُن کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں کہ اللہ اُن کو معاف فرما دے اور جب اُن کے اچھے اعمال ہماری نظروں کے سامنے سے گزرتے ہیں تو اللہ سے اُن کیلئے اجرِ عظیم کے طلبگار ہوتے ہیں''۔

ان دو واقعات اور دوسری روایات سے، جو بیان کی گئی ہیں، بخوبی علم ہوتا ہے کہ تشییعِ جنازہ کی کتنی اہمیت ہے جس کیلئے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی بشر ہونے کی آرزو کی تھی۔ ہم اس سلسلہ میں یہیں تک اکتفا کرتے ہیں اور اب متفرقات کی طرف توجہ دیتے ہیں۔

متفرقات

پچھلے ابواب میں بھی وہ مسائل جو زیر بحث موضوع سے براہِ راست تو تعلق نہیں رکھتے لیکن کسی نہ کسی صورت میں اس سے نسبت ضرورت رکھتے ہیں، کو متفرقات کی ذیل میں درج کیا گیا ہے۔ یہاں بھی ایسے موضوع لکھ کر ہم اس بحث کو سمیٹیں گے۔

یہاں پر ہم وصیت، توبہ، عالمِ برزخ و قیامت پر طائرانہ نظر کرتے ہوئے گزریں

گے تا کہ پڑھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے۔

گناہوں سے توبہ

معاویہ بن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: جس وقت مومن بندہ توبہ کرتا ہے، اگر وہ توبہ، توبۃ النصوح ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو دوست رکھتا ہے اور اُس کے گناہوں کو دنیا و آخرت میں ڈھانپ دیتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اُن گناہوں کو ڈھانپ دیتا ہے؟

فرمایا کہ دو فرشتے جنہوں نے یہ گناہ دیکھے ہوتے ہیں، اُن کے حافظے سے محو کر دیتا ہے۔ انسانی اعضاء و جوارح کو حکم دیتا ہے کہ وہ میرے اس بندے کے جن گناہوں کے شاہد ہیں، اُن کو چھپا دیں اور اُس زمین کو جہاں پر وہ گناہ کئے گئے تھے، کو حکم دیتا ہے کہ ان گناہوں کو نادیدہ سمجھے جیسے یہ گناہ سرزد ہی نہ ہوئے ہوں۔

پس توبہ کرنے والا خدا سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اُس کا کوئی گناہ باقی نہ بچا ہوگا۔

توبۃ النصوح کیا ہے

روایت میں ہے کہ توبۃ النصوح سے مراد یہ ہے کہ انسان قطعی طور پر ارادہ کرے کہ آئندہ گناہ نہ کرے گا اور اُس کا ظاہر و باطن ایک ہوگا بلکہ اُس کا باطن ظاہر سے بھی بہتر ہوگا۔

وصیت کرنا ضروری ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ رات بسر کر دے، یہاں تک کہ صبح ہو جائے اور وصیت نامہ اُس کے سرہانے کے نیچے نہ ہو۔

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اپنے مال کا وصی خود بن اور اپنے مال کا اُس طرح مصرف کر جس طرح تو چاہتا ہے کہ تیرے بعد اُس کا مصرف کیا جائے (یعنی وہ کام جو تو چاہتا ہے کہ تیرے بعد انجام دیئے جائیں، تو خود اُن کو انجام دے جا'')۔

جان کنی میں سختی

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام آنکھوں کے شدید درد میں مبتلا تھے۔ آپؑ کے کراہنے کی آواز بلند ہوئی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؑ کی عیادت کیلئے آئے اور فرمایا:

''یہ کراہنا کم صبری کی وجہ سے ہے یا شدتِ درد کی وجہ سے؟''

علی علیہ السلام نے عرض کیا: ''یا رسولؐ اللہ! آج تک مجھے اس سے شدید درد نہیں ہوا''۔

اس پر پیغمبرؐ خدا نے ایک ایسی خبر سنائی جس کو سن کر علیؑ اپنا درد بھول گئے، وہ خبر یہ ہے:

''یا علیؑ! مجھے جبرئیلؑ نے خبر دی ہے کہ جس وقت عزرائیل کسی کافر کی روح کو قبض کرنے کیلئے آتے ہیں تو وہ اپنے ساتھ آگ کی سلاخیں بھی لاتے ہیں۔ وہ انہی سلاخوں کی مدد سے اُس کافر کی جان قبض کرتے ہیں اور اس پر جہنم بھی فریاد کرتی ہے''۔

امیر المومنین علیہ السلام اُٹھ کر بیٹھ گئے اور کہا: ''یا رسولؐ اللہ! یہ بات جو آپؐ نے کہی ہے، ذرا اس کا تکرار فرمائیں کہ میں اس کو سن کر اپنی آنکھ کا درد بھول گیا ہوں۔ کیا آپ کی اُمت میں بھی کوئی ایسا ہے جس کو اس طرح سے عذاب دیا جائے گا اور وہ اس طرح مرے گا؟''

پیغمبرِ اسلام نے فرمایا: ''ہاں! میری اُمت سے تین قسم کے افراد ایسے ہوں گے جو اس طرح جان دیں گے:

پہلا: ظلم کرنے والا حاکم

دوسرا: یتیم کا ناحق مال کھانے والا

تیسرا: جھوٹی گواہی دینے والا''۔

فشارِ قبر

آقای کلینی معتبر سند کے ساتھ ابو بصیر سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا شخص ہے جس کو فشارِ قبر نہ ہوگا؟ امامؑ نے جواب میں فرمایا: ''میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں، ایسے بہت کم ہوں گے جن کو فشارِ قبر نہ ہوگا''۔

جب حضرتِ رقیہ کو شہید کر دیا گیا تو رسولِ خدا نے اُن کی قبر پر کھڑے ہو کر اپنے سر کو آسمان کی طرف بلند کیا۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جو کچھ اس مظلومہ پر گزری ہے، مجھے اُس کی یاد آ گئی تھی، اس واسطے مجھے رونا آ گیا تھا۔ میں نے پروردگار کو اپنا واسطہ دے کر دعا کی کہ اس کو فشارِ قبر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس مظلومہ کو میری خاطر معاف فرما دیا۔

بداخلاقی اور فشارِ قبر

سعید بن معاذ جو کہ انتہائی قابلِ احترام صحابیِ رسولؐ تھے، جب اُن کا انتقال ہوا تو پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ خود اُن کی تشیعِ جنازہ فرمائی۔ پیغمبرِ خدا کے علاوہ دوسرے بہت سے مسلمان اور ستر ہزار فرشتے بھی اُن کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ نمازِ

میت کے بعد پیغمبرِ اکرمؐ نے سعد کو اپنے ہاتھوں سے سپردِ خاک کیا۔

اس وقت سعد کی ماں سامنے آئی اور کہنے لگی: ''اے جانِ مادر! تجھے بہشت مبارک ہو''۔

پیغمبرِ خداؐ نے فرمایا: ''تجھے کیسے معلوم ہوا کہ تیرا بیٹا اہلِ بہشت میں سے ہے جبکہ سعد تو ابھی فشارِ قبر میں مبتلا ہے؟''

اصحاب نے پوچھا: ''یارسول اللہؐ! کیا سعد جیسے شخص کو بھی فشارِ قبر ہو رہا ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں! اُس بداخلاقی کی وجہ سے جو یہ اپنے اہلِ خانہ سے کرتا تھا''۔

عالمِ برزخ میں وادی السلام

اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ میں نے مولا امیر المومنین علیہ السلام کو دروازۂ کوفہ میں صحرا کے سامنے کھڑے دیکھا۔ آپؑ کسی سے گفتگو کر رہے تھے لیکن کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں بھی کھڑا ہو گیا، کچھ وقت گزر گیا، میں تھک کر بیٹھ گیا تاکہ تھکاوٹ دور ہو جائے۔ تھوڑا سا آرام کرنے سے تھکاوٹ بھی دور ہو گئی لیکن امامؑ کی گفتگو ابھی جاری تھی۔

میں نے عرض کیا: ''یا امیر المومنینؑ! آپؑ کس سے باتیں کر رہے تھے؟''

آپؑ نے فرمایا: ''اُن سے جو دنیا سے جا چکے ہیں اور اس جگہ مسکون ہیں؟''

میں نے عرض کیا: ''اُن کی روحیں تھیں یا اُن کے جسد تھے؟''

امامؑ نے فرمایا: ''اُن کی روحیں (کاش تم بھی اُن کو دیکھ سکتے کہ) کس طرح ایک دوسرے کے اردگرد جمع ہیں اور ایک دوسرے سے مانوس ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور خدا کی نعمتوں کو یاد کرتی ہیں''۔

عالمِ برزخ میں برہوت

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ وادی السلام، نیک اور سعادت مند ارواح کے جمع اور ظہور فرمانے کی جگہ ہے۔ اس کے برعکس برہوت ایک خشک اور بے آب و گیاہ صحرا ہے جہاں پر نہ کوئی درخت ہے اور نہ کوئی کنواں۔ یہ دوزخ نما برزخ ہے جو خبیث اور بدکار روحوں کے مستقل عذاب کا مقام ہے۔ یہاں ایک حدیث بیان کی جاتی ہے جس کے مطالعہ سے مطلب واضح ہو جائے گا:

''ایک روز ایک شخص پیغمبرؐ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''یا رسولؐ اللہ! میں نے ایک عجیب چیز دیکھی ہے جس سے مجھ پر وحشت سی طاری ہو گئی ہے''۔

آپؐ نے فرمایا: ''بتاؤ کیا دیکھا ہے؟''

وہ شخص کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسولؐ! میری بیوی سخت مریض ہو گئی ہے۔ مجھے کہا گیا کہ اگر صحرائے برہوت کے کنویں سے پانی لے آؤ تو یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ لہٰذا میں نے وہاں سے پانی لانے کیلئے مشک اور پیالہ لیا اور راہیِ صحرا ہوا۔ جب میں برہوت کے صحرا میں پہنچا تو وحشت ناک صحرا کو دیکھا۔ میں بہت ڈر گیا لیکن ہمت نہ ہارا اور مشک پانی سے بھر لی۔ اچانک سر کے اوپر کی طرف سے زنجیروں کی آواز سنائی دی اور وہ آواز قریب آتی گئی۔ وہ آواز بہت قریب آ گئی اور پھر ایک شخص جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، میرے سامنے آ گیا اور کہنے لگا کہ مجھے پانی پلاؤ۔ میں پیاس سے ہلاک ہوا جا رہا ہوں۔

میں نے چاہا کہ ایک پیالہ پانی کا اُسے دوں لیکن اُسے اوپر کی طرف کھینچ لیا گیا، یہاں تک کہ وہ سورج کے قریب پہنچ گیا۔ دوسری مرتبہ وہ شخص پھر نیچے کی طرف آیا اور میں نے چاہا کہ اُسے پانی کا پیالہ دوں لیکن اُسے پھر اوپر کھینچ لیا گیا اور سورج کے قریب پہنچا دیا گیا۔ تیسری مرتبہ پھر اسی طرح ہوا اور اُس کے بعد میں نے مشک کا دہانہ باندھ دیا۔ میں

بہت ڈر گیا، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپؐ سے پوچھوں کہ یہ کیا ماجرا ہے؟''

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ بدبخت قابیل (حضرتِ آدم علیہ السلام کا بیٹا) تھا جس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا۔ اُسے قیامت تک یہاں پر عذاب ہوتا رہے گا اور بالآخر اُسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔

بدکردار بُری شکلوں میں

تفسیر مجمع البیان میں رسولِ خداؐ سے روایت کی گئی ہے کہ جس وقت معاذ نے اس آیت: (سورۃ النباء:18):

''يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجاً''

''جس دن سور پھونکا جائے گا، پھر تم گروہ کے گروہ ہوکر آجاؤ گے''۔

کے معنی پوچھے تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ معاذ تم نے بہت بڑے معنی پوچھے ہیں۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے اور آپؐ نے فرمایا کہ میری اُمت کے گناہ گار قیامت کے روز دس صنفوں میں بٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو باقی اُمتِ مسلمہ سے جدا کر دے گا اور اُن کی شکلوں کو بدل دے گا۔

کچھ لوگوں کو بندر کی شکل میں اور کچھ کو سوَر کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ کچھ کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اور کچھ کو اندھا کر کے محشر میں پیش کیا جائے گا۔ کچھ افراد کو گونگا بہرہ بنا کر میدانِ محشر میں لایا جائے گا۔ کچھ افراد اس حالت میں آئیں گے کہ وہ اپنی زبانوں کو چبا رہے ہوں گے اور اُن کے منہ سے گندگی نکل رہی ہوگی۔ اُس گندگی کی بدبو سے اہلِ محشر تکلیف اُٹھائیں گے۔ کچھ افراد پریشان اور سر جھکائے ہوئے آئیں گے اور کچھ اس صورت میں آئیں گے کہ اُن کے اوپر شعلۂ آتش ہوگا۔ کچھ سے بدبو آ رہی ہوگی جو مردار

سے بھی زیادہ ہوگی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ لوگ کون ہوں گے؟

پیغمبرؐ خدا نے جواب دیا:

☆ ''جو بندروں کی شکل میں میدانِ محشر میں آئیں گے، وہ چغل خور ہوں گے یعنی اِدھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی بات اِدھر کہہ کے لوگوں میں نفرت اور فتنہ پیدا کریں گے۔

☆ جو سؤروں کی شکل میں میدانِ محشر میں آئیں گے، وہ حرام کھانے والے ہوں گے مثلاً کم تولنے والے، ملاوٹ کرنے والے، جوا کھیلنے والے اور دیگر حرام طریقوں سے پیسہ اکٹھا کرنے والے وغیرہ۔ اسی طرح حرام اشیاء کھانے والے مثلاً شراب خور اور حرام گوشت کھانے والے وغیرہ۔

☆ جو سر جھکائے کھڑے میدانِ محشر میں آئیں گے، وہ سود کھانے والے ہوں گے مثلاً کسی کو قرض کے طور پر رقم دے کر واپس لیتے وقت زیادہ رقم وصول کرنے والے سود خور ہوں گے۔

☆ جو اپنی زبانوں کو چبائیں گے اور اُن کے منہ سے گندگی باہر نکل رہی ہوگی، وہ عالمِ بےعمل ہوں گے جن کے کردار اور گفتار میں زمین وآسمان کا فرق ہوگا۔

☆ جن کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر میدانِ محشر میں لایا جائے گا، یہ وہ اشخاص ہوں گے جو اپنے ہمسایوں کو اذیت پہنچاتے تھے۔

☆ جن کو اندھا کر کے میدانِ محشر میں لایا جائے گا، وہ ظالم حکمران ہوں گے۔

☆ جن کو گونگا بہرہ کر کے میدان میں لایا جائے گا، یہ وہ افراد ہوں گے جو خود پسند ہوں گے یعنی وہ سوائے اپنے کسی اور کو قبول نہیں کرتے تھے اور کسی دوسرے سے

راضی نہیں تھے۔

☆ جن کے اوپر شعلۂ آتش ہوگا، یہ وہ افراد ہوں گے جو بادشاہوں کوخوش کرنے کیلئے لوگوں کو مصیبتوں میں گرفتار کردیتے تھے۔

☆ جن سے ایسی بدبو آئے گی جو مردار سے بھی زیادہ ہوگی، ایسے افراد ہیں جو اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے غیر مشروع راستے اختیار کرتے تھے۔ ان کے علاوہ وہ افراد بھی شامل ہیں جو اپنے اموال سے حقوقِ الٰہی ادا نہ کرتے تھے مثلاً خمس، زکوٰۃ۔

☆ جن کو آگ کا لباس پہنا کر میدانِ محشر میں لایا جائے گا، ایسے افراد ہوں گے جو فخر وتکبر کیا کرتے تھے۔

نامۂ اعمال

ہم سب جس پر ایمان رکھتے ہیں، وہ ہمارے اعمال کا متواتر لکھا جانا ہے۔ قرآن بس بھی چند ایک جگہوں پر اس کا تذکرہ آیا ہے، مثلاً ''کرام الکاتبین'' (اعمال لکھنے والے) یک اور جگہ پر ہے کہ یہ جو دو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں، ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی لکھ لیتے ہیں:

''مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ''.

''وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا موجود ہے''۔

نیک ارادہ بھی نیکی ہے

ایک شخص نے معصوم علیہ السلامؑ سے پوچھا کہ فرشتے نیک نیتی کو کیسے جان لیتے

ہیں جسے وہ لکھتے ہیں؟ معصومؑ نے جواب دیا کہ جب کوئی شخص نیک کام کی نیت کرتا ہے تو اُس سے خوشبو آنا شروع ہو جاتی ہے اور فرشتے اُس سے خوش ہو جاتے ہیں۔ جب وہ بُرے کام کی نیت کرتا ہے تو اُس سے بدبو آنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ فرشتے اُس سے ناخوش ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی نیک کام کی نیت کرتا ہے تو فرشتے اُس کیلئے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں اور اگر وہ اُس کام کو انجام دیتا ہے تو اُس کیلئے دس نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔

اگر کوئی گناہ کی نیت کرتا ہے تو اُس (نیت) کو نہیں لکھا جاتا، تاوقتیکہ اُس کام کو انجام نہ دیا جائے اور اگر انجام دے دیا جائے تو بس وہی لکھ دیتے ہیں۔

خدا کا ایک اور لطف یہ ہے کہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو عتید (گناہ لکھنے والا فرشتہ) کہتا ہے کہ اسے مہلت دو، شاید اپنے کیے پر پشیمان ہو جائے اور توبہ کر لے۔ پس اُسے سات گھنٹے تک مہلت دی جاتی ہے۔ پھر بھی اگر توبہ نہ کی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بندہ کس قدر بے حیا ہے۔ اُس وقت اُس کے گناہ کو لکھ دیا جاتا ہے۔

روایات سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ ہر کسی کے نامۂ اعمال کی دو کتابیں ہوتی ہیں، ایک نیکیوں والی کتاب اور دوسری گناہوں والی۔

لہٰذا جو کوئی بھی اچھا یا بُرا کام انجام دیتا ہے، یہاں تک کہ آگ کو پھونک مارنا تک لکھ لیا جاتا ہے۔ سورۂ طور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَكَبِيْرٍ مُسْتَطَرٌ".

"وہ جو بھی کام انجام دیتے ہیں، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، اُن کے نامۂ اعمال میں لکھ یا جاتا ہے"۔

قیامت میں مفلس کون؟

کتاب ''لئالی الاخبار'' میں پیغمبرؐ خدا سے نقل کیا گیا ہے کہ آپؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟''

اصحاب نے کہا: ''ہمارے درمیان وہ شخص جس کے پاس کوئی نقد مال و دولت یا جائیداد وغیرہ نہ ہو (مفلس ہے)''۔

رسولِؐ خدا نے فرمایا: ''مفلس کا مطلب یہ نہیں بلکہ میری اُمت میں حقیقی مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز اپنی نمازوں، روزوں، حج اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا لیکن دنیا میں دوسرے لوگوں کو گالیاں دینے کی وجہ سے، یا کسی کا مال کھانے کی وجہ سے، یا کسی کا خونِ ناحق بہانے کی وجہ سے اُس کی تمام نیکیاں اُن افراد میں بانٹ دی جائیں گی۔ لیکن وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے ابھی تک مقروض ہوگا جو اُس کے حساب میں لکھ دیا جائے گا''۔

عذابِ الٰہی اور عدل

کیا شدید عذابِ دنیا عدلِ الٰہی سے مطابقت رکھتا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جو اکثر لوگوں کے دماغ میں اُبھرتا ہے یعنی کچھ لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سخت عذاب میں کیوں مبتلا کر دیا جائے گا اور کیا یہ عدل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! یہ عین عدل ہے کیونکہ بے ایمانی، خدا سے روگردانی، شیطان اور امرائے بد کی پیروی وصحبت، یتامیٰ کا مال کھانا یا کوئی اور حرام مال کھانا انسان کے پیٹ میں آگ بھرنے کے مترادف ہے اور جہنم کی آگ خود انسان میں موجود ہے۔ نص قرآن کے مطابق انسان جہنم کا ایندھن ہیں جن کو جلایا جائے گا۔

عمر انسانی قلیل مگر عذابِ خدا دائم.....؟

انسانی ذہن میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر کی عمر تو پچاس ساٹھ سال ہی ہوتی ہے لیکن یہ کیسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا؟

ابو ہاشم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اسی بارے میں پوچھا کہ مولاؑ! انسان اس تھوڑی سی زندگی کے بدلے جنت میں یا دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کیوں رہے گا؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا: ''دوزخی جو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اُن کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ یہاں ہمیشہ ہمیشہ رہتے تو تمام وقت معصیتِ خدا کرتے۔ جنتیوں کی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اُن کی نیت یہ تھی کہ اگر اس دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہتے تو تمام وقت اطاعتِ خدا کرتے۔

پس ان نیتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ یا تو دوزخ میں رکھے گا یا جنت میں رکھے گا''۔

ساتویں آرزو

حاجیوں کو پانی پلانا

پانی پلانے کا ثواب

جبرئیل علیہ السلام کی ساتویں آرزو موجودہ حدیث کے تحت یہ تھی کہ وہ حاجیوں کو مراسمِ حج کے دوران پانی پلاتے یعنی مکہ، منیٰ اور عرفات میں، جہاں گرمی انتہا کی ہوتی ہے اور خصوصاً موسمِ گرما میں تو سوائے پانی کے اور کوئی چیز اچھی ہی نہیں لگتی۔ وہ افراد جو مکہ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں، بخوبی جانتے ہیں کہ وہاں حاجیوں کی کیا حالت ہوتی ہے۔ یقیناً اس دوران حاجیوں کی بہترین خدمت یہی ہوتی ہے کہ اُن کو پینے کیلئے پانی مہیا کیا جائے۔ یہی جبرئیل علیہ السلام کی ساتویں آرزو ہے۔

یہاں ایک سوال ضرور ذہن میں اُبھرتا ہے کہ جب حاجیوں کو پانی پلانے کا اتنا عظیم ثواب ہے، جس کی آرزو جبرئیلؑ بھی کررہے ہیں تو خود حج کرنے کا کتنا ثواب ہوگا! دوسری بات یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ حاجیوں کی خدمت کے اور بھی انداز ہو سکتے ہیں، صرف پانی پلانے کی آرزو جبرئیل علیہ السلام نے کیوں کی؟

لہٰذا یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اصل بحث سے پہلے ہم ان سوالوں کے جوابات تلاش کریں:

1۔ اہمیتِ حج (زیارتِ خانۂ خدا)۔

2۔ پیاسوں کو پانی پلانے کا ثواب۔

ان دو موضوعات میں سے پہلے ہم پیاسوں کو پانی پلانے سے متعلق احادیث

نبویؐ اور روایاتِ آئمہؑ کی روشنی میں اس عمل کی اہمیت کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پانی پلانا بہترین صدقہ ہے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جد بزرگوار پیغمبرؐ اسلام سے روایت کرتے ہیں کہ جو کوئی پیاسے مؤمن کو پانی پلائے جبکہ پیاسا اس قدر قادر بھی ہو کہ خود پانی مہیا کر کے پیاس بجھا سکے تو اللہ تعالیٰ پانی پلانے والے کو ستر ہزار نیکیاں عطا فرمائے گا اور اگر وہ پیاسا اس پر قادر نہ ہو کہ پانی مہیا کر کے اپنی پیاس بجھا سکے تو اُس صورت میں اللہ تعالیٰ پانی پلانے والے کو دس غلاموں (مسلمان) کے آزاد کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

حیوانوں کو پانی پلانا وضو کرنے سے بہتر ہے

روایت میں ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کرنا چاہتے تھے۔ آپؐ نے دیکھا کہ ایک بلی نزدیک آ کر بیٹھ گئی اور پانی کو دیکھنا شروع کر دیا۔ حضورِ اکرمؐ سمجھ گئے کہ بلی پیاسی ہے۔ لہٰذا آپؐ نے پانی حیوان کے آگے کر دیا۔ اُس حیوان نے پانی پی لیا۔ باقی پانی سے آپؐ نے وضو کیا۔

پیغمبرؐ اسلام کے اس عمل سے دو چیزوں کی وضاحت ہوئی، ایک تو یہ معلوم ہوا کہ بلی کے پینے سے باقی پانی نجس نہیں ہوتا اور دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ حیوان کو پانی پلانا وضو کرنے پر اوّلیت رکھتا ہے۔ اسی واسطے علمائے کرام اور مجتہدین عظام اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ جہاں پانی کی صرف اتنی مقدار موجود ہو جو خود انسان کیلئے اور حیوانوں کے پینے کیلئے کافی ہو۔ اگر اس پانی سے وضو کیا جائے تو انسانوں اور حیوانوں کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں واجب ہے کہ وضو کی جگہ پر تیمّم کیا جائے (اور پانی انسانوں اور حیوانوں کو پلا دیا جائے)۔

روزِ عاشور پانی پلانے کا ثواب

مرحوم علامہ مجلسیؒ بحارالانوار میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص روزِ عاشور پیاسوں کو پانی پلائے تو وہ ایسے ہے جیسے عاشور کے روز اصحابِ امام حسین علیہ السلام کو پانی پلا رہا ہو اور وہ خود امام حسینؑ کے ہمراہ شہید ہوا ہو۔

عالمِ برزخ میں سب سے مفید کام

کتاب ''کشف الغمہ'' اور ''غایۃ المرام'' میں روایت کی گئی ہے کہ ایک روز جنابِ رسولِ خداؐ نے نمازِ صبح اپنے اصحاب کے ہمراہ پڑھی اور پھر اپنے اصحاب کی طرف چہرہ کر کے فرمایا:

''میں نے کل رات اپنے چچا حمزہ اور جعفر ابن ابی طالب کو خواب میں دیکھا کہ وہ انگور اور خرما کھا رہے تھے۔ میں اُن کے قریب گیا اور پوچھا کہ تم نے یہاں آکر اپنے کون سے عمل کو بہترین پایا؟ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان، یہاں پر ہم نے تین کاموں کو بہترین پایا اور وہ یہ ہیں:

☆ آپؐ پر صلوٰۃ بھیجنا۔

☆ پیاسوں کو پانی پلانا۔

☆ محبتِ علی ابن ابی طالب علیہما السلام۔

کتاب ''انوارِ نعمانیہ'' میں روایت کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گناہگار شخص کسی راستے پر چل رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک کتا ایک کنویں کے کنارے کھڑا ہوا پانی کی طرف حسرت سے دیکھ رہا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ کتا پیاسا ہے۔ پس اُس نے اپنی چادر اُتاری اور اُس کے ایک طرف لکڑی کا پیالہ جو اُس کے پاس تھا، باندھ دیا۔ اُس

سے اُس نے کنویں سے پانی نکالا اور اُس کتے کو پلا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اُس زمانہ کے پیغمبر کو وحی کی کہ جائیں اور اس گناہگار سے کہیں کہ صرف تیرے اس ایک عمل کی وجہ سے جو تو نے میری مخلوق پر رحم کھانے کی بنیاد پر کیا ہے، خدا نے تیری نیکی کو قبول کیا، تیرے تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے اور تجھے بخش دیا ہے۔

کتاب ''وسائل الشیعہ'' میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کسی کے پیاسے جگر کو سیراب کرنے (ٹھنڈا کرنے) کو بے حد پسند کرتا ہے۔ پس جو کوئی کسی انسان یا حیوان کی پیاس کو بجھائے گا، جس دن خداؑ کے سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا، خدا اُسے اُس دن اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے گا''۔

کافر کو بھی پانی پلانا ثواب ہے

کتاب ''وسائل الشیعہ'' میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک ساتھی سے روایت کی گئی ہے کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ مکہ جا رہے تھے کہ راستے میں ہم نے دیکھا کہ ایک شخص ایک درخت کے نیچے گرا پڑا ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ آؤ اس شخص کے پاس چلیں۔ شاید پیاس کے غلبہ کی وجہ سے اس طرح گرا پڑا ہے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ شخص عیسائی ہے۔ امامؑ نے اُس سے پوچھا کہ کیا وہ پیاسا ہے۔

اُس نے جواب دیا کہ ہاں۔ امامؑ نے مجھ سے فرمایا کہ سواری سے اُترو اور اس شخص کو پانی پلاؤ۔ میں سواری سے نیچے اُترا، اُس شخص کو پانی پلایا، پھر سوار ہوا اور امامؑ کے ہمراہ دوبارہ سفر شروع کر دیا۔

میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: ''یا مولاؑ! یہ شخص تو عیسائی تھا، کیا اس کو بھی پانی پلانا چاہیے؟''

امام علیہ السلام نے جواب دیا: ''ہاں! ہر وقت جب تو دیکھے کہ کوئی شخص پیاسا ہے اور کوئی دوسرا اُس کو پانی پلانے والا بھی نہیں ہے اور پیاسے کی پانی تک رسائی بھی نہیں تو وہ چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو، اُسے پانی پلانا چاہئے''۔

یہ تو چند مثالیں تھیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حج کے ایام کے علاوہ بھی پانی پلانا عظیم ثواب کا باعث ہے۔

دوسرا رُخ جو انتہائی قابلِ توجہ ہے، وہ خود خانۂ خدا کا حج ہے جیسا کہ جبرئیلؑ آرزو کرتے ہیں کہ اے کاش! میں بشر ہوتا اور میں مراسمِ حج کے دوران حاجیوں کو اور زواروں کو پانی پلاتا۔ پس جب حاجیوں کو پانی پلانا اتنا ثواب رکھتا ہے تو خود حج کا کتنا ثواب ہوگا۔

اس واسطے ہم یہاں ضروری سمجھتے ہیں کہ مکہ کی اہمیت کے بارے میں اور فلسفہ حج کے بارے میں بھی کچھ بحث کریں۔

اہمیتِ کعبہ

ارشادِ خداوندی ہے:

''اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ''. (العمران:96)

''یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا، مکہ میں واقع وہ مکان ہے جو برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے''۔

اس آیت کی تفسیر میں قتادہ اور سدی روایت کرتے ہیں کہ زمین کا پہلا نقطہ جو پیدا کیا گیا، وہی جگہ ہے جہاں اس وقت خانۂ خدا ہے اور جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کے بعد مکہ اور باقی زمین کو پیدا کیا گیا۔ اس بناء پر سب سے پہلا گھر جو اس کرہ ارض پر بنا، وہ خانۂ خدا

ہے۔ حضرتِ آدمؑ کی خلقت سے پہلے فرشتے اسی گھر کا طواف کرتے تھے۔ اُس وقت اس کا نام بیت الصراخ تھا۔ جب حضرتِ آدم علیہ السلام زمین پر آئے اور اُن کو حج کا حکم ہوا تو حضرتِ آدمؑ اُسی گھر کا طواف کرتے تھے۔ جس زمانہ میں طوفانِ نوح آیا تو فرشتے اُس گھر کو آسمان کی طرف لے گئے جس کا فرشتے طواف کرتے تھے۔ حضرت نوحؑ کے طوفان کے بعد حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے اس کو دوبارہ بنایا۔

بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں

یہ خانۂ خدا اور مکہ معظّمہ خلقت کے وقت سے لے کر اب تک خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بڑی عزت و تکریم والا (گھر) رہا ہے۔ چنانچہ رسولِ خدا نے فتح مکہ کے روز فرمایا:

''پروردگار نے اس شہر مقدس کو زمین و آسمان کی تخلیق کے روز سے محترم بنایا تھا اور قیامت کے دن تک محترم رہے گا۔ مجھ سے پہلے بھی کسی کیلئے یہ جائز نہیں تھا اور نہ میرے بعد کسی کیلئے جائز ہوگا اور نہ ہی میرے لئے جائز ہے کہ اس شہر میں بغیر احرام کے داخل ہو جاؤں اور یہ حکم قیامت تک کیلئے ہے''۔

حضرت ابراہیمؑ کی آواز کہاں کہاں پہنچی

حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوگوں کو حجِ بیت اللہ کیلئے بلائیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مقام (جو آج کل مقامِ ابراہیمؑ کے نام سے مشہور ہے) پر کھڑے ہوگئے۔ اُس مقام نے حضرت ابراہیمؑ کو اتنا بلند کیا کہ ابوقبیس پہاڑ کے برابر

کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے تمام انسانوں کو حج بیت اللہ کیلئے صدا دی۔ اعجازِ الٰہی سے اُن کی آواز تمام انسانوں نے سنی، یہاں تک کہ قیامت تک جو نسلیں ابھی باپوں کے صلبوں میں تھیں اور ماؤں کے رحموں میں تھیں، اُنہوں نے بھی وہ آواز سنی''۔

استقامتِ کعبہ استقامتِ دین ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''کعبہ کے وجود سے دین ہمیشہ مضبوط رہے گا''۔

فرائض حج کی اہمیت

مرحوم صدوق رحمۃ اللہ علیہ کتاب ''مَنْ لَا یَحضرُ الفقیہ'' میں پیغمبرؐ اکرم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

''یاعلیؑ! تَارِکُ الْحَجِّ وَهُوَ مُسْتَطِیعٌ کَافِرٌ یَقُولُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ یَا عَلِیُّ! مَنْ سَوَّفَ الْحَجَّ حَتّٰی یَمُوْتَ بَعَثَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَھُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا''.

''یا علیؑ! اگر کسی نے استطاعت رکھنے کے باوجود حج کو ترک کیا، اُسے کافر سمجھا جائے گا کیونکہ یہ فرمانِ خدا ہے کہ جو لوگ استطاعت رکھتے ہیں، وہ خانۂ خدا کی طرف جائیں۔ اُن پر لازم ہے کہ وہ حج بجا لائیں اور اگر کسی نے اس کا انکار کیا تو اُس نے اپنا نقصان کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔ یا علیؑ! اگر کوئی حج کو بجالانے میں اتنی دیر

کردے کہ اُسے موت آجائے تو قیامت کے دن اُسے یہودی یا نصرانی محشور کیا جائے گا"۔

ایک اور حدیث میں جو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے نقل کی گئی ہے کہ آیتِ قرآن:

"قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا".

"(اے رسولؐ) تم یہ کہہ دو کہ آیا میں تمہیں اُن لوگوں کے حال سے آگاہ کروں جو اعمال کی رو سے سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہیں"۔(الکھف:103)

کی تفسیر میں کہا گیا کہ سب سے زیادہ گھاٹے میں وہ اشخاص ہیں جنہوں نے حج کو ترک کیا۔

حضرت امام جعفرؑ صادق سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ اس آیت:

"وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى". (طٰہٰ:124)

"اور ہم اُن کو قیامت کے روز اندھا کر کے محشور کریں گے"۔

سے مراد وہ اشخاص ہیں جنہوں نے حج کے فریضہ کو ترک کیا۔

فضیلتِ حج

بیت اللہ کی زیارت واجب یا مستحب جس نیت سے بھی ہو، کا عظیم اجر و ثواب ہے۔ اس کی زیارت کی عظمت کا اندازہ تو درج ذیل چند اقوال و اخبار سے واضح ہوتا ہے:

اوّل

مرحوم فیض کتاب "محجة البیضاء" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا:

"کچھ گناہ ایسے ہیں جو قابلِ معافی نہیں مگر یہ کہ گناہگار میدانِ عرفات، عظمت و

شرافت والی سرزمین، میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ واستغفار کرے''۔

دوم

ایک شخص نے مسجد الحرام میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کس گناہگار کا گناہ سب سے بڑا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: ''مؤمنین میں وہ شخص جو دو جگہ (عرفہ و مزدلفہ) میں توقف کرے اور (صفا و مروہ کے درمیان) سعی کرے اور بیت اللہ کا طواف کرے اور وہاں دو رکعت نماز بجالائے اور پھر بھی یہ گمان کرے کہ خدائے عزوجل نے اُسے نہیں بخشا، اس شخص کا گناہ باقی سب افراد سے بڑا اور عظیم ہے''۔

سوم

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جو حاجی مکہ میں حج کی نیت سے داخل ہو تو خداوند عالم اُس پر دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے تا کہ اُس شخص کے طواف، نماز اور سعی کی حفاظت کریں اور جس وقت یہ حاجی عرفات میں توقف کرتا ہے تو یہ فرشتے اُس شخص کے دائیں شانہ پر تھپکی دے کر کہتے ہیں کہ اے فلاں بن فلاں! بالتحقیق تمہارے تمام گزشتہ گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ پس اب آئندہ کیلئے ہوشیار ہو جا کہ کیا کرے گا (تیرے سابقہ گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں، آئندہ پر نظر رکھ تا کہ صرف نیکیاں ہی کرے)''۔

حج میں دیر کرنا

سماعہ کہتی ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اے سماعہ! تو امسال حج کیلئے کیوں نہ گئی اور کیوں توقف کیا؟''

میں نے عرض کیا: ''کچھ لوگوں کے ساتھ میرا ایک معاملہ چل رہا تھا اور دوسرا مجھے کچھ اور کام بھی آڑے آ گئے۔ پس اس سال مجھے حج پر جانا نصیب نہ ہوا۔ شاید اسی میں بہتری تھی کہ میں امسال حج نہ کروں''۔

امامؑ نے فرمایا: ''اے سماعہ! خدا کی قسم! ایسا نہیں۔ خدا نے ترکِ حج میں کوئی بھلائی نہیں رکھی''۔

پھر فرمایا: ''اے سماعہ! کوئی بھی بندۂ خدا زیارتِ بیت اللہ سے محروم نہیں رہے گا مگر صرف اپنے گناہوں کی وجہ سے جنہیں اللہ تعالیٰ درگزر کر دے گا لیکن ترکِ حج کا گناہ اس سے بھی بڑا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اُس شخص سے مواخذہ کرے گا۔

دوسروں کے حج میں رکاوٹ نہ بنئے

ابن عمار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک شخص نے حج پر جانے کے سلسلہ میں مجھ سے مشورہ کیا۔ وہ شخص کمزور تھا۔ میں نے اُسے مشورہ دیا کہ بہتر ہے کہ وہ حج پر جانے سے پرہیز کرے۔

امامؑ نے فرمایا: ''یہ کتنا بہتر ہے کہ اب تم ایک سال تک اس رہنمائی اور صلاح مشورہ کی بیماری کو نگاہ میں رکھو۔ پس میں بھی ایک سال کیلئے مریض ہو گیا ہوں''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جو شخص اپنے دینی بھائی کو حج پر جانے سے روکتا ہے یا اُس کے فریضۂ حج کے بجالانے میں تاخیر کا باعث بنتا ہے، اُسے چاہئے کہ وہ خدا سے ڈرے کہ کہیں دنیا میں مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے اور آخرت میں اس کی سزا نہ بھگتنا پڑے''۔

آدابِ حج

کسی حاجی کیلئے سب سے پہلی اور اہم ترین چیز اُس کی نیت ہے یعنی اُس کی نیت اور قصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہوں کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ حج دو نیتوں پر بجالایا جاسکتا ہے:

پہلی نیت

حج صرف اور صرف رضائے خدا کیلئے بجالایا جائے۔

دوسری نیت

حج اس واسطے بجالایا جائے کہ لوگ اُسے حاجی کہیں یا اپنی کسی ذاتی غرض کیلئے بجالایا جائے۔

پس جو کوئی حج خالصتاً برائے رضائے الٰہی بجالاتا ہے، اُس کا ثواب خدا پر ہے اور جو کوئی اپنی غرض و غایت کیلئے یا لوگوں کی خاطر بجالاتا ہے تو اُس کا ثواب قیامت کے روز لوگوں ہی سے حاصل کرے۔

اخراجاتِ حج

حج کے سفر کے دوران تمام اخراجات مالِ حلال سے کئے جائیں کیونکہ حرام مال سے اخراجاتِ حج کرنے پر حج قبول نہیں ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی مالِ حرام سے حج بجالاتا ہے، وہ جب کہتا ہے:

"لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْک"

تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے:

''لا لَبَّیک و لاسَعْدَیک''.

''تیرالبیک کہا قبول نہیں اور نہ ہی تیرا عمل قبول ہے''۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جوکوئی حرام طریقے سے مال و دولت اکٹھی کرے، اُس مال میں سے نہ تو صدقہ دیا جاسکتا ہے، نہ کوئی غلام آزاد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی حج وعمرہ بجالانے کیلیئے استعمال کیا جاسکتا ہے بلکہ وہ حرام مال اُس شخص کیلیئے وبال ہوگا اور آخرت میں آتش جہنم کا سبب ہوگا''۔

اخراجاتِ حج کیلیئے زیادہ لیت ولعل نہ کریں

حضرتِ امام باقر علیہ السلام کا فرمان ہے:

تین چیزوں کی خرید کے سلسلہ میں زیادہ لے دے نہ کرو:

1۔ قربانی کا جانور خریدتے وقت

2۔ کفن خریدتے وقت

3۔ حج کے سفر کیلیئے انتظام کرتے وقت۔

حضرت امام زین العابدین علی ابن الحسین علیہم السلام نے اپنے نمائندہ، جو حج کیلیئے وسائلِ سفر کا انتظام کررہا تھا، کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جو جو چیز سفر حج کیلیئے لازم ہے اُسے خریدلو اور اُس میں زیادہ لیت ولعل نہ کرو۔

اخراجاتِ سفر حج فضول خرچی نہیں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک سفر حج کیلیئے میانہ روی اور اعتدال سے خرچ کرنا فضول خرچی نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ خرچ میں زیادتی ک

بالکل پسند نہیں کرتا مگر حج و عمرہ کے سوا۔

شاید اس کا فلسفہ یہ ہو کہ حاجی جب سفر حج پر جائے تو کریمانہ طریقہ اختیار کرے اور یہ جان لے کہ اس سفر میں جو بھی خرچِ سفر ہوگا، اُس کا اجر و ثواب ہے، لہٰذا ہر قسم کے بخل اور کنجوسی سے دور رہے۔

چنانچہ روایت میں ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام سفر حج کے دوران بہترین غذا و طعام کی تاکید فرماتے تھے کیونکہ حج کے سفر کے دوران ایک روپیہ خرچ کرنا حج کے علاوہ کسی سفر کے دوران ہزار روپے خرچ کرنے سے بہتر ہے۔

حاجی صاحبان کو سفر حج کے دوران جو مشکلات و مصائب اتفاقی طور پر پیش آتے ہیں، اُن سے اِن کو بالکل پریشان اور غمزدہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس سفر کے دوران جو پریشانیاں آتی ہیں، وہ مقبولیتِ حج کی نشانی ہیں۔ اس سفر میں اگر کسی کا ایک درہم تلف ہو جائے تو وہ راہِ خدا میں سات سو درہم خرچ کرنے کے برابر ہے کیونکہ یہ سفر صرف اور صرف خوشنودیٔ خدا کیلئے ہوتا ہے۔ اس لئے ہر مشکل اور ہر مصیبت کا جدا جدا ثواب خدا کی طرف سے عطا کیا جائے گا اور کوئی بھی خوبی ضائع نہیں کی جائے گی۔

پیغمبرؐ اسلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اگر کوئی مکہ میں کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے اور وہ خدا کی خاطر صبر کرے اور کوئی گلہ شکوہ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہر ایک روز کی بیماری کے بدلے میں ساٹھ سال کی عبادت کے برابر ثواب عطا فرمائے گا اور جو کوئی شہر مقدس مکہ کی گرمی و حرارت برداشت کرے گا، اُسے ہر ایک گھنٹہ کی صبر و تسلیم کے بدلہ میں جہنم کی آگ سے دور کر دیا جائے گا۔

حاجی کو سفر کے دوران خوش اخلاق اور خوش رفتار ہونا چاہئے۔ بداخلاقی اور بد رفتاری سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ ہر بد عمل اور غلیظ گفتگو سے بچنا چاہئے۔

دوسروں کو بھی حج کے ثواب میں شریک بنائیے

کتاب ''فقیہ''، جلد دوم، صفحہ ایک سو چوالیس اور ''کافی'' جلد چہارم کے صفحہ تین سو سترہ پر چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اگر تم ہزار افراد کو بھی اپنے حج میں شریک کرلو تو ہر ایک کو ایک حج کا ثواب دیا جائے گا اور تمہارے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی''۔

پس کیا بہتر ہو کہ حجاج کرام بخل سے کام نہ لیں اور تمام شیعانِ علی علیہ السلام کو اپنے حج میں شریک کرلیں۔

دورانِ حج تواضع

''کافی'' جلد چہارم، صفحہ دوسو باون اور کتاب ''تہذیب''، جلد پنجم، صفحہ تئیس پر امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ جو شخص حج بیت اللہ کا ارادہ کرے اور اُس کے دماغ میں کسی قسم کا تکبر اور بڑائی کا خیال نہ ہو تو جب وہ حج کے بعد واپس پلٹے گا تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہوگا جیسے اپنی پیدائش کے دن تھا۔

حج کے دوران ہر عمل کا ثواب ملے گا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کے اعمالِ حج کے ثواب کے بارے میں کیئے گئے سوال کے جواب میں فرمایا:

''یہ جان لو کہ جونہی تم نے کعبہ کی طرف رخ کیا اور سفر کیلئے سواری پر سوار ہوئے تو ہر قدم کے عوض ایک نیکی عطا کی جائے گی اور ایک گناہ تمہارے اعمال سے ختم کیا جائے گا۔ جب تم نے احرام باندھا اور لبیک کہا تو ہر دفعہ لبیک کہنے کے بدلہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ دس نیکیاں عطا فرمائے گا اور دس گناہ تمہارے گناہوں میں سے ختم کر دیئے جائیں گے۔

جب تم نے بیت اللہ کا طواف کیا تو اللہ اس عمل کے بدلہ میں تمہیں ایسا مقام عطا فرمائے گا جس کے بعد اللہ بھی اُس بندے کو عذاب کرنے میں حیاء کرتا ہے۔

جب تم نے مقامِ ابراہیم کے نزدیک دو رکعت نماز پڑھی تو خدائے بزرگ اس کے بدلہ میں تمہیں دو ہزار رکعت نمازِ مقبول کا ثواب عطا فرمائے گا۔

جب تم نے کوہِ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تو اللہ تعالیٰ اس کا اتنا اجر و ثواب عطا فرمائے گا جیسے تم نے اپنے وطن سے مکہ تک پا پیادہ سفر کیا ہو اور ستر غلاموں کو راہِ خدا میں آزاد کیا ہو۔

جب تم نے عرفات میں غروبِ آفتاب تک توقف کیا تو اگرچہ تمہارے گناہ ریت کے ذرّوں کی تعداد کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرمادے گا۔

جب تم نے تین شیطانوں کو پتھر مارے تو ہر پتھر کے بدلہ میں دس نیکیاں تمہارے اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور آئندہ کے دس گناہ بھی معاف کردیئے جائیں گے۔

جب تم نے اپنے سر کے بال منڈوائے تو ہر ایک بال کے بدلہ میں، جب تک تم زندہ رہو گے، خدائے بزرگ و برتر تمہیں ایک نیکی عطا فرمائے گا۔

جس وقت تم نے قربانی کے جانور کو ذبح کیا تو اُس میں سے نکلنے والے خون کے ہر قطرے کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری آخری عمر تک نیکی عطا فرمائے گا۔

جس وقت تم نے کعبہ کا طواف کیا اور خانۂ خدا میں دو رکعت نماز پڑھی تو خدا کا مقرر کردہ فرشتہ تمہارا کندھا ہلا کر تمہیں صدا دے گا کہ جو گناہ تم نے آج تک کئے تھے، اللہ پاک نے انہیں بخش دیا ہے۔ اب سے تم اپنا نیا حساب شروع کرو۔

جس وقت حاجی حج کے تمام اعمال بجالائے تو اُس وقت وہ اپنے تمام گناہوں سے بھی فارغ ہو جاتا ہے اور ایسے ہو جاتا ہے جیسے ابھی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔

فرشتے آنے والے چار مہینوں تک اُس کی نیکیاں تو لکھیں گے لیکن اُس کے گناہوں کو نہیں لکھیں گے۔ جب حج کئے ہوئے چار ماہ گزر جائیں گے تو اُس وقت دوسروں کی طرح اُس کے بھی گناہ وثواب جدا جدا لکھے جایا کریں گے“۔

حاجیوں سے ملاقات کا ثواب

کتاب ”فقیہ“ جلد دوم کے صفحہ ایک سو چھیانوے پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ جو شخص حاجیوں سے (واپس وطن پہنچنے پر) گلے ملے گا تو وہ ایسے ہے جیسے اُس نے اپنا ہاتھ حجر اسود پر پھیرا ہو۔

حج بجالانے کے فائدے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص دو دفعہ حج بجالائے، وہ مرنے کے وقت تک خوشی میں وقت گزارے گا اور جو کوئی تین مرتبہ حج بجالائے، وہ کبھی فقیر اور محتاج نہیں ہوگا۔ جو شخص چار دفعہ حج بجالائے گا، اُسے فشارِ قبر نہیں ہوگا اور مرنے کے وقت اُس کے حج خوبصورت ترین آدمیوں کی شکلوں میں اُس کے سامنے آئیں گے۔ قیامت تک وہ شکلیں نماز ادا کرتی رہیں گی اور اُس کا ثواب اُس شخص کے نامۂ اعمال میں ہدیہ کرتی رہیں گی۔ ان کی ایک رکعت نماز عام آدمیوں کی ہزار رکعت نماز کے برابر ہے۔

بیس دفعہ حج کرنے کا ثواب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

”جو شخص بیس دفعہ حج بجالائے، وہ جہنم کو نہیں دیکھے گا اور نہ ہی وہاں کی چیخ وپکار کی آواز کو سنے گا“۔

ہر کسی کو یہ ثواب میسر نہیں

ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ تمام سرمایہ دار اگر بیس بار حج کر لیں تو اُن کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور وہ جنتی بن جائیں گے۔ ایسا ہر گز نہیں۔ بے شک ایک دفعہ یا کئی دفعہ حج بجالانے کا بہت عظیم ثواب ہے لیکن یہ چند شرائط سے مشروط ہے۔ اُن میں سے ایک اہم شرط یہ ہے کہ جس مال سے حج کیا جائے، وہ حلال ہو۔

اس بناء پر وہ حج جو مالِ حلال سے نہ کیا جائے، اُس کا کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اسی واسطے ''اخراجاتِ حج'' کے زیرِ عنوان پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ جب ایسے افراد تلبیہ کرتے ہیں تو اُن کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے:

''لا لَبَّیک و لا سَعْدَیک''۔

حجاجِ کرام پر خدا کی خاص عنایات

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بیٹوں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''میں تمہیں بیت اللہ کی زیارت کی تاکید کرتا ہوں۔ تم جب تک زندہ رہو، بیت اللہ کی زیارت کر ترک نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے زیارتِ بیت اللہ کو ترک کر دیا تو ہر گز تم پر خدا کی خاص عنایات نہیں ہوں گی''۔

مسلمان رہبر حج کی تاکید کریں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگ یہ چاہیں کہ حج کو ترک کر دیں تو مسلمان رہبروں پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کو حج پر جانے کی تاکید کریں کیونکہ فلسفہ حج یہی ہے کہ لوگ مل کر اس زمین (مکہ) پر بیت اللہ کی زیارت کیلئے جائیں

اور اُن میں ہمسائیگی پیدا ہو۔

واجب حج کا بدل نہیں

جب پیغمبرؐ خدا تمام ارکانِ حج بجالا چکے اور منیٰ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے تو ابطح کے مقام پر ایک اعرابی بادیہ نشین سے ملاقات ہوئی۔ اُس اعرابی نے عرض کیا:

''یارسولؐ اللہ! میں اس سال حج کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن میں اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوا اور یہ عظیم ثواب میرے ہاتھ سے جاتا رہا۔ چونکہ میں خدا کے فضل سے ایک صاحبِ حیثیت اور دولت مند شخص ہوں، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپؐ مجھے ایسا عمل بتائیں جو میں انجام دوں تا کہ ثوابِ حج تک پہنچ جاؤں''۔

راوی کہتا ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے ایک دفعہ کوہِ ابوقبیس کی طرف نگاہ کی اور فرمایا:

''اگر تو اس پہاڑ کے برابر سونا بھی راہِ خدا میں خرچ کردے تو پھر بھی حج (واجب) کے ثواب کے برابر نہیں پہنچ سکتا''۔

توضیحِ مطلب

بے شک راہِ خدا میں خرچ کرنا اور زیارتِ بیت اللہ کے ثواب جدا جدا ہیں اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کا بھی عظیم ثواب ہے۔ لیکن اس جگہ رسولِ خدا کا فرمان حجِ واجب کی نسبت سے ہے کیونکہ کوئی بھی مستحب عمل واجب عمل کا بدل نہیں ہوسکتا۔

عازمِ حج کا فوت ہوجانا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور مکہ معظّمہ کی جانب حرکت کرے تو وہ خدا کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اس حالت میں اگر وہ مرجائے تو خدائے بزرگ و برتر اُس شخص کے تمام گزشتہ گناہ

معاف فرما دیتا ہے۔ اگر وہ شخص احرام کی حالت میں مرجائے تو خدا اُسے قیامت کے روز اسی حالت میں اٹھائے گا کہ وہ تلبیہ پڑھتا ہوا ہوگا۔ اگر کوئی شخص حرمِ مکہ یا مدینہ میں فوت ہو جائے تو خدا اُسے اس حالت میں مبعوث فرمائے گا کہ وہ عذابِ قبر سے محفوظ ہوگا اور خوشحال ہوگا۔ اگر واپسی کے سفر کے دوران فوت ہو جائے تو خدائے مہربان اُس کے تمام گناہ معاف فرما دے گا۔

فلسفۂ حج

دین اسلام میں کوئی واجب یا حرام عمل ایسا نہیں جو بغیر کسی فلسفہ یا حکمت کے ہو۔ اگر ہم اپنی کم علمی کی وجہ سے تمام واجبات اور محرمات کے فلسفہ تک نہ پہنچ سکے ہوں تو یہ سراسر ہماری جہالت کا ثبوت ہے، نہ کہ احکامِ دین بے معنی ہیں۔ پس ہمارا علم جس قدر زیادہ ہوتا جائے گا، اُسی قدر حقائق کے روپ سے اسرار و رموز کے پردے ہٹتے چلے جائیں گے۔ اسی لئے اولیائے دین نے جس جس واجب حکم کا فلسفہ بیان کیا، وہ حکم واضح سے واضح تر ہوتا چلا گیا۔

عملِ حج بھی اپنے اندر چند واجبات و محرمات کے احکام کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اُن میں سے ہر ایک حکم کے پیچھے کوئی نہ کوئی فلسفہ یا منطق ضرور ہے۔ اولیائے دین نے اُن کو بیان کیا ہے اور اُن کا جاننا یقیناً لطف سے خالی نہیں۔ آیئے ان پر مختصراً غور کریں۔

حاجی یعنی وہ شخص جو اپنے گھر سے بیت اللہ کی زیارت کیلئے نکلتا ہے، پہلا کام جو وہ انجام دیتا ہے، وہ کسی ایک میقات (وہ مقام جہاں احرام باندھا جاتا ہے) پر احرام باندھنا ہے۔ پس اس عمل کے بعد وہ مُحرِم کہلاتا ہے۔

میقات پر حاجی اپنا رنگا رنگ اور قیمتی لباس اپنے بدن سے جدا کرتا ہے اور سادہ لباس جو صرف دو سفید پارچوں پر مشتمل ہوتا ہے، پہن لیتا ہے۔ پس انسان اپنے اس عمل

سے اپنے پروردگار سے تجدیدِ عہد کرتا ہے اور اپنی انانیت کو ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ سفید لباس مثلِ کفن پہن لیتا ہے۔ حقیقت میں مقامِ میقات ایک حاجی کی خود پسندی، انانیت اور سرکشی کیلئے قبر ہے۔

حاجی اپنی جھوٹی انا کے بتوں کو توڑ کر ایک دفعہ پھر خدائی جلووں میں گم ہو جاتا ہے۔ یہ لباسِ جدید جو کہ نہ زندوں کا لباس ہے، نہ مردوں کا کفن ہے، انسان پر 24 چیزوں کو حرام کر دیتا ہے۔

اے حاجی! اب جو تو نے یہ لباس پہن لیا ہے، اب نیت بھی کر لے کہ تو صرف خوشنودئ خدا کیلئے یہاں آیا ہے اور کسی غیر خدا کا تصور بھی دل میں نہ لانا۔

اگرچہ ماضی میں تیری نیت اور تھی اور تیری خواہشات بھی اور تھیں مگر اب اُن سب کو بھول جا۔ اپنی تمام خواہشات کو بھی بھول جا۔ صرف اور صرف خدا کو یاد کر کیونکہ حج و عمرہ تو صرف اور صرف خدا کیلئے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی سیر و سیاحت یا تجارتی سفر نہیں بلکہ اس کا مقصد تو زیارتِ بیت اللہ اور ملاقاتِ رب ہے۔

تمہارا یہی خلوصِ نیت تمہیں دنیاوی خواہشوں کی قید سے آزادی دلائے گا، محدودیت سے لامحدودیت کی کھلی فضا میں لے جائے گا اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ تمہیں باطل سے حق کی طرف لے جائے گا۔ اب جبکہ تم نے اپنی نیت کو دنیاوی آلائشوں سے پاک کر لیا، اب ملاقاتِ رب کی طرف قدم بڑھاؤ اور کہو ''لبیک''۔

یہ صرف زبان ہی سے ادا نہ ہو بلکہ تمہاری یہ صدا ''**لبیک اللّٰھم لبیک**'' تمام فکر، عقل اور جان و دل سے ادا ہو رہی ہو۔

اے میرے خدا! آج تک میں دوسروں کیلئے لبیک کہتا رہا۔ میں گمراہ تھا، میں غلط کہتا رہا۔ پروردگار! اب تیرے غیر کیلئے میرے پاس صرف ''نہ'' ہے اور صرف تیری اور

تیری ذات کیلئے لبیک۔

پروردگارا! تیرا یہ بندہ تجھ سے بھاگتا تھا لیکن اب یہ تیری دعوت پر تیری طرف اپنے پاؤں پر خود چل کر آیا ہے۔ یہ تیرا وہ مہمان ہے جس کو تو نے دعوت دی ہے۔ جو کوئی بھی ہے اور جو کچھ بھی ہے، تو نے اس ناچیز کو خوب جانتے ہوئے بھی دعوت دی ہے تا کہ اس کی سربلندی ہو۔

پروردگارا! تیرا یہ بندہ ایک تنکے سے بھی پست تھا جسے تو نے عزت والا بنا دیا۔ اب جو بھی تیرا حکم ہو، میری طرف سے لبیک (میں حاضر) اگر تو کہے قربانی دے تو میں حاضر، اگر تو کہے شیطان کو کنکر مار تو میں حاضر۔

تلبیہ کا تکرار کرنا مستحب ہے اور اسے بلند آواز سے پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ شعارِ حج وعمرہ ہے۔ خود تو انسان دل و جان سے خدا کے حکم پر لبیک کہتا ہے لیکن اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کا دوسروں کو بھی تو پتہ چلے۔ اس واسطے تلبیہ اونچی آواز میں پڑھے۔

اے انسان! جب تو نے احرام باندھ لیا اور مُحرِم ہو گیا، پس اب جان لے کہ تو اب دوسروں کیلئے سلامتی ہی سلامتی ہے اور اب تو بے ضرر بھی ہے۔ تیر و تلوار کو الگ رکھ دے تا کہ وہ لوگ جن سے تیری کوئی لڑائی نہیں، وہ تجھ سے امن و سلامتی محسوس کریں۔

مُحرِم لبیک کہتے کہتے آگے بڑھتا ہے، یہاں تک کہ مکہ کے گھر نظر آنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد لبیک کہنا، جو پہلے واجب یا مستحب تھا، اب اسے کہنا حرام ہو جاتا ہے۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اب تلبیہ کی آواز گدھے کی آواز سے بھی بدتر ہے۔ یہ اس لئے کہ تو اب اپنے محبوب کے شہر میں پہنچ چکا ہے اور اُس کی دعوت کو عملاً قبول کر چکا ہے۔ پس اب لبیک کہنے کے کیا معنی؟ ہر کلمہ کیلئے کوئی خاص مقام اور خاص وقت ہوتا ہے۔

یہ تو حج کے ابتدائی مراحل اور اُن کے احکام تھے، اب دیکھتے ہیں کہ مُحرِم پر جو

چیزیں حرام ہو جاتی ہیں، اُن کا فلسفہ کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ جو عمل احرام باندھنے سے، پہلے تو مباح تھے، اب احرام باندھنے کے بعد حرام ہو گئے اور اُن اعمال کو بجالانے والے پر کفارہ دینا واجب ہو جاتا ہے۔

آیئے اب ہم ایک ایک عمل کو جداگانہ زیر بحث لاتے ہیں اور اُن کے حرام ہونے کے فلسفہ پر غور کرتے ہیں۔

علمائے کرام اور مجتہدین عظام کے نزدیک چوبیس چیزیں احرام باندھنے والے پر حرام ہو جاتی ہیں:

1۔ صحرائی جانوروں کا شکار کرنا، چاہے اُن کا گوشت حلال ہو یا حرام مثلاً ہرن، لومڑی، خرگوش وغیرہ، لیکن یہ یاد رہے کہ دریائی جانوروں کے شکار کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اسی طرح گھریلو اور پالتو جانور یعنی گائے، گوسفند، اونٹ اور مرغ وغیرہ کو حلال کرنا جائز ہے۔

شکار کے احکام تو بہت زیادہ ہیں اور ہر حیوان جس کا شکار کرنا مُحرِم پر حرام ہے، اُس کا علیحدہ علیحدہ کفارہ مقرر ہے۔ چونکہ یہ ایک لمبی بحث ہے، لہٰذا ہم اس کو یہاں لکھنے سے اجتناب کرتے ہیں۔

احرام باندھنے والے پر پہلی چیز جو حرام ہے، وہ شکار کرنا ہے جو اپنے اندر یہ پیغام رکھتا ہے:

''اے حاجی! تو اب مُحرِم ہے یعنی تو خود اس وقت خدائی شکار ہے اور تو اپنے پاؤں پر خدا کی بندگی میں داخل ہو گیا ہے اور اُس کا مخلص بندہ بن گیا ہے، یعنی اُس کا غلام ہو گیا ہے۔ اب تو شکار کس طرح کر سکتا ہے یعنی جو خود شکار ہو تو وہ کسی اور مخلوقِ خدا کا شکار کیسے کر سکتا ہے!

شکار پہلے ہی سخت دلی کا مظہر ہے اور دل کی سختی میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ اے انسان! تو جب مُحرِم ہو تو کسی کو تکلیف دینے سے باز رہ، یہاں تک کہ حرم کی گھاس بھی نہیں کاٹ سکتا، چہ جائیکہ کسی جانور کو حلال کرے۔

یہاں حرم میں ہر انسان کیلئے اللہ کی پناہ ہے۔ یہاں ہر شخص آزاد ہے تو دوسروں سے اُن کی آزادی کیوں چھیننا چاہتا ہے۔

2۔ اپنی شریکِ حیات سے ہر قسم کا جنسی رابطہ حرام ہے حتیٰ کہ جنسی لذت کیلئے اپنی بیوی کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

3۔ استمناء کرنا یعنی انسان خود ایسا کام کرے جس سے اُس کی منی باہر آجائے، حرام ہے۔

4۔ اپنا نکاح کرنا یا کسی کا نکاح پڑھنا حرام ہے، حتیٰ کہ کسی کے نکاح میں گواہ بننا بھی حرام ہے۔ مختصراً یہ کہ مُحرِم (جس نے احرام باندھا ہو) اُس پر حرام ہے کہ وہ کسی عورت سے نکاح کرے یا مُحرِم عورت کسی مرد سے نکاح کرے یا کوئی بھی مُحرِم (عورت یا مرد) اپنے لئے یا کسی دوسرے کیلئے خواستگاری کرے۔ اسی طرح غیر مُحرِم کو بھی کوئی حق نہیں کہ وہ مُحرِم سے شادی کرے کیونکہ ایسی صورت میں نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔

یعنی اے حاجی! جب تو نے احرام باندھ لیا اور مُحرِم بن گئے تو تمہارا رابطہ اب صرف خدا کی ذات سے ہونا چاہئے۔ اب ہر غیر خدا سے اپنا رابطہ منقطع کر لیجئے اور اُس کی یاد بھی دل میں نہ لایئے، سوائے اُس کے جس میں خلق خدا کی بھلائی ہو اور خدا کے احکام کے مطابق ہو۔

اے حاجی! تم اس وقت ہر غیر خدا سے دور اور جدا ہو، پس اس حالت میں تم کسی

سے بھی قربت کا خیال دل میں نہ لانا کیونکہ احرام باندھے انسان پر ہر قسم کی جنسی لذت حرام ہے اور یہ بھی جان لے کہ کمالِ انسانیت ترکِ شہوات میں ہے اور زوالِ انسانیت تمنائے شہوات میں ہے۔

اب جبکہ تم حالتِ احرام میں ہو، یقیناً خدا کے خواص میں شامل ہو۔ لہٰذا اس وقت کسی اور کے خاص الخاص نہ بنو۔ اپنے آپ کو خود پسندی اور لذات سے باہر لے آؤ۔ ہر قسم کی آرام طلبی، شخصیت پرستی اور خودی کے فریب سے چھٹکارا حاصل کرلو تاکہ تمہارا ظاہر و باطن پاک ہوجائے اور تم قربِ الٰہی کے قابل بن جاؤ کیونکہ قربِ الٰہی اُن کو نصیب ہوتا ہے جو حق کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

لہٰذا اس لمحے تمہارے لئے شادی و ازدواج حرام ہے کیونکہ اس وقت تمہارا رابطہ براہِ راست خدا کے ساتھ ہے اور اسی لئے غیر خدا سے رابطہ جوڑنا شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

5۔ ہر احرام باندھنے والے پر خوشبو کا استعمال حرام ہے اور اگر مُحرِم کے ناک میں باہر سے خوشبو آئے تو اُسے چاہئے کہ اپنی ناک کو بند کرلے۔ اس کے برعکس اگر بدبو سونگھے تو اپنی ناک کو بند نہ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حالتِ احرام میں انسان کو یاد دلایا جائے کہ اے انسان! تیری ابتداء اور انتہا پاک نہیں، تو پیدا بھی غلیظ ہوا اور تیرا مرنا بھی غلیظ ہے۔

تیری ابتداء نطفہ

تیری انتہا جیفہ (مردار)

اس درمیان میں تجھے خدا نے احسنِ تقویم سے نواز دیا ورنہ تو ایک داخلی کثافت و نجاست کا ڈھیر ہے۔

اس وقت جب تم مصنوعی موت کا لباس پہنے ہوئے ہو، عطر وخوشبو استعمال نہ کرو کہ اپنے آپ کو مصنوعی طور پر خوشبودار بناؤ۔ بدبو سے گریز نہ کرو اور اگر تمہاری ناک بدبو سونگھے تو ناک کو بند نہ کرو۔ یہ اس لئے کہ اے حاجی! تم اپنی ابتداء اور انتہا کو فراموش نہ کرو اور تمہارے جسم کے اندر جو کچھ ہے، تم اُس سے آشنا ہو جاؤ۔

اب تھوڑی دیر کیلئے سوچو کہ خدا ان احکام سے تمہیں کیا درس دینا چاہتا ہے کہ تم اپنی جھوٹی انا سے باہر آؤ، خود کو فریب نہ دو، عاجز بن جاؤ، تکبر چھوڑ دو، اپنی اصلیت کو پہچان لو اور محبتِ الٰہی میں گم ہو جاؤ اور مُحرِمِ خدا بن جاؤ۔

6۔ سلا ہوا لباس مردوں پر حرام ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ احرام کی حالت میں مردوں پر نہ صرف اپنے سر و صورت کو زینت کرنا حرام ہے بلکہ اس حالت میں ہر قسم کا سلا یا اَن سلا لباس جو مردوں کیلئے باعثِ زینت بن سکتا ہے، پہننا حرام ہے۔ حد تو یہ ہے کہ کسی قسم کا بٹن لگانا بھی ممنوع ہے۔ لباس چونکہ طبقاتی فرق کو ظاہر کرتا ہے، اس لئے پروردگار نے حکم دیا کہ جو شخص حج کرنا چاہے، وہ صرف ایک ہی طرح کا لباس پہنے تا کہ لوگوں میں کسی قسم کا امتیاز نہ رہے اور سب کے سب اُسی کے حضور ''لبیک اللّٰھم لبیک'' کی صدا بلند کریں۔

اس حکم سے پروردگار کی منشاء یہ ہے کہ اے حاجی! تو اس قیمتی لباس کے فریب سے اپنے آپ کو باہر لے آ۔ یہ قیمتی لباس جو تیرے لئے باعثِ عزت بن گیا ہے اور اُس نے تیرے اصلی چہرے کو ڈھانپ کر رکھ دیا ہے، اسے میقات کے مقام پر اُتار دے اور اپنی جھوٹی شخصیت کو وہیں دفن کر دے۔ اب تو باقی لوگوں کی طرح کا ہی لباس پہن سکتا ہے۔ اس حکم سے تو رسولؐ اور امامؑ بھی مستثنیٰ نہیں، تو

کیسے مستثنیٰ ہوسکتا ہے۔

ایک ہی طرح کا لباس پہن کر حقیقت میں سب مرد یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم میں کوئی انسان اعلیٰ نہیں اور کوئی ادنیٰ نہیں۔ سب انسانیت کے اعتبار سے برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں کیونکہ سب ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں۔ جس کا تقویٰ جتنا زیادہ ہوگا، وہ اُسی قدر خدا کے نزدیک ہوگا۔

7۔ احرام کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ ڈالنا حرام ہے۔

8۔ شیشہ میں نگاہ کرنا حرام ہے۔

9۔ زینت کی غرض سے انگوٹھی پہننا حرام ہے۔

10۔ عورتوں کیلئے زیور پہننا حرام ہے۔

11۔ جسم پر کسی قسم کا تیل یا روغن ملنا حرام ہے۔

12۔ جسم سے بال اُتارنا حرام ہے۔

13۔ ناخن کاٹنا حرام ہے۔

مندرجہ بالا تمام ساتوں افعال کا تعلق انسان کی ذاتی آرائش سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے احرام کی حالت میں حرام قرار دیا ہے۔ یعنی جو شخص بھی اس عبادتِ مخصوص حج میں شامل ہو، اُسے اپنے ظاہری حسن و جمال پر توجہ نہیں دینی چاہیے بلکہ اپنے باطن کو خوبصورت بنانا چاہیے۔ حاجی کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حج کے دوران احرام کی حالت میں خود پسندی اور ظاہری حسن و جمال کی پرستش بالکل ممنوع ہے۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ اے حاجی! اب تو اس ظاہری دنیا سے باہر آ اور باطنی دنیا میں گم ہوجا۔ خود کو فطرت کے آئینہ سے دیکھ اور خدائے بزرگ و برتر کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کردے۔

اے حاجی! تو کیوں اپنے آپ کو دھوکے میں رکھ رہا ہے۔ اپنے چہرے سے ہر قسم کے مصنوعی خول اُتار دے کیونکہ یہ تیری گمراہی کو روز بروز زیادہ کرتے ہیں اور تجھے خود پسندی کے گڑھے میں اُتار رہے ہیں۔

14۔ احرام کی حالت میں مردوں کیلئے جراب وغیرہ پہننا حرام ہے لیکن عورتوں کیلئے جائز ہے۔

15۔ گو جھوٹ بولنا اور گالی دینا عام حالت میں بھی حرام ہے لیکن احرام کی حالت میں سختی سے منع ہے اور حرام ہے۔

اے حاجی! جب تو نے احرام باندھ لیا تو تُو مُحرِم ہو گیا اور خصوصاً اگر تم حرم میں موجود ہو تو صلح و محبت اور تسلیم و رضا کا نمونہ بن جاؤ۔ اب تیرے ہاتھ سے انسان تو کیا، عام نباتات یعنی گھاس پھونس اور چھوٹے بڑے حیوان کو بھی ضرر نہیں پہنچنا چاہئے۔ حج کے دوران تیرے حج کے ساتھی تیری ذات سے مکمل آرام و راحت میں رہیں۔ تیری طرف سے اُن کی ذرّہ برابر بھی دل آزاری نہ ہو۔ تو اُن کیلئے باعثِ راحت و آرام بن، نہ کہ باعثِ تکلیف و زحمت۔ تو اُن سے بھول کر بھی نہ اُلجھنا اور نہ ہی کسی کو گالی دینا۔

خدا یہ چاہتا ہے کہ حج کے دوران تو ایسی تربیت حاصل کرے کہ باقی عمر بھی اُسی طرح گزارے۔

16۔ قسم کھانا جیسے عموماً لوگ کہتے ہیں: "نہیں! خدا کی قسم، ہاں! خدا کی قسم"۔ قسم چاہے سچ ہو یا جھوٹ، کی ممانعت کی گئی ہے۔ اگر سچ ہو تو دو مرتبہ تک کوئی کفارہ نہیں لیکن تیسری مرتبہ سچی قسم کھانے پر بھی ایک گوسفند کفارہ دینا پڑے گا۔ جھوٹی قسم پہلی مرتبہ کھانے پر ہی ایک گوسفند کفارہ دینا پڑے گا۔ دوسری مرتبہ جھوٹی قسم

کھانے پر ایک گائے اور تیسری مرتبہ جھوٹی قسم کھانے پر ایک شتر کفارہ دینا پڑے گا۔

یعنی خدا یہ چاہتا ہے کہ اے حاجی! جب سے تو نے احرام باندھا ہے، تو سمجھ لے کہ تو ایک تربیتی ادارے میں شامل ہو چکا ہے۔ بس اب تجھے صلح و صفائی کا سبق پڑھنا ہے اور کسی ایک سے بھی جھگڑا یا گستاخی نہیں کرنی۔ حرام تو اپنی جگہ پر، اب تو حلال سے بھی پرہیز کرنا ہے۔ جھوٹی قسم تو ہمیشہ اور ہر حال میں حرام ہے لیکن سچی قسم جو کہ عام حالت میں جائز ہے، احرام کی حالت میں حرام ہے۔ یہ اس لئے کہ اے حاجی! تو جان لے کہ خدا کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ اُس کا نام صرف اپنے ذاتی فائدے کیلئے استعمال کیا جائے۔

قسم نہ کھانے کیلئے یہی دلیل کافی ہے کہ ایک دفعہ امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک معاملہ، جس میں 400 مثقال سونے (طلاء) کا مسئلہ تھا، سچی قسم بھی نہ کھائی۔ اُس وقت امامؑ احرام کی حالت میں بھی نہیں تھے۔ آپؑ اس چیز پر تو راضی ہو گئے کہ 400 مثقال سونا دے دیا جائے لیکن سچی قسم کھانے پر راضی نہ ہوئے۔ جب آپؑ کے فرزند امام باقر علیہ السلام نے پوچھا کہ بابا جان! جب آپؑ حق پر ہیں تو قسم کیوں نہیں کھائی جبکہ سچی قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ میں خدا کی ذاتِ اعلیٰ کو اس سے بہت بلند سمجھتا ہوں کہ صرف 400 مثقال کیلئے اُس کے نام کی قسم کھائی جائے۔ اگرچہ قسم سچی ہی کیوں نہ ہو۔

پس ہمیں حج کے دوران احرام کی حالت میں سچی قسم کھانے کی بھی ممانعت کی گئی ہے تا کہ ہم اپنے تھوڑے سے فائدے کیلئے اُس کے عظیم نام کو استعمال نہ

کریں۔ اُس کی ذات کو ہمیشہ ہر چیز سے بزرگ و بالا تصور کریں۔ جہاں تک جھوٹی قسم کا تعلق ہے، وہ تو عام حالت میں بھی حرام ہے، چہ جائیکہ حالتِ احرام میں کھائی جائے۔

17۔ حاجی پر، جب وہ احرام کی حالت میں ہو، مختلف قسم کے جسمی جانوروں مثلاً جوؤں کھٹمل،، پسو وغیرہ کو مارنا حرام ہے، چاہے یہ جسم پر ہوں یا لباس پر۔ مارنا تو درکنار، اُن کو پکڑ کر باہر پھینکنے کی بھی اجازت نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اُن کو جسم کے ایک حصے سے اُٹھا کر جسم کے دوسرے حصے پر منتقل کرنا، جبکہ پہلی جگہ اُن کیلئے محفوظ تر ہو، کی بھی اجازت نہیں۔

یعنی اس حیوان کی موجودہ سکونت کی جگہ، جو تیرا جسم ہے یا تیرا لباس، یہ اُس نے خود نہیں ڈھونڈی بلکہ خود تو نے اُسے دعوت دی ہے۔ یعنی اگر تو ہمیشہ صاف ستھرا اور پاک و پاکیزہ رہتا تو یہ چھوٹے چھوٹے جانور یہاں تیرے پاس اپنا ٹھکانا نہ بناتے اور نہ تیرے بدن کو اپنے لئے رزق کا وسیلہ بناتے۔ اب جبکہ تو نے خود اُن کو دعوت دی ہے تو کیوں اپنے مہمان کو اذیت پہنچاتا ہے؟ اُنہیں اِدھر سے اُدھر کیوں کرتا ہے؟ کیا تو نے نہیں پڑھا:

''اَکرِمُ الضَّیفَ وَلَوُ کَانَ کَافِراً''.

''مہمان کی عزت کرو اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو''۔

جوئیں (lice) انسان کے جسم پر اُسی وقت پیدا ہوتی ہیں جبکہ اُس پر کثافت ہو۔ یعنی انسان اپنے آپ کو صاف ستھرا نہ کرے۔ اس صورتحال میں تو انسان خود ان جانوروں کو دعوت دیتا ہے۔ لہٰذا اب اُنہیں حاجی احرام کی حالت میں نہیں چھیڑ سکتا۔ لیکن اگر یہ جوئیں اتفاقاً کسی اور سے حاجی تک منتقل ہو جائیں، جس کا

مطلب یہ ہے کہ حاجی نے تو اُن کو دعوت نہیں دی تھی، اس صورت میں حاجی صرف یہ کرسکتا ہے کہ بغیر اذیت پہنچائے اپنے جسم سے جدا کرسکتا ہے لیکن مار نہیں سکتا۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ ایسے حیوانات جو غیر بدنی انسان ہیں، مثلاً مچھر، مکھی وغیرہ، اگر یہ حاجی کے جسم تک پہنچ جائیں اور باعثِ اذیت بن جائیں، جو نا قابلِ برداشت ہوں تو بفرمانِ امام جعفر صادق علیہ السلام ان کو مارنا یا کم از کم ہٹانا جائز ہے؟

لیکن ایسے تمام جانور جو انسان کیلئے خطرناک ہوں، اُن کو مارنا جائز ہے بلکہ بعض اوقات واجب ہے، مثلاً سانپ، بچھو جیسے موذی جانور جن سے اگر انسان خود چھٹکارا پالے تو یہ موذی جانور کسی اور کے درپے ہوں گے۔ وہ بھی تیرا یا حج کا ساتھی ہوگا یا کوئی اور انسان۔ لہٰذا اب تجھ پر واجب ہے کہ اگر ہو سکے تو ان کو مار دے۔

لیکن وہ جانور جو خطرناک نہیں اور صرف اذیت ہی پہنچا سکتے ہیں اور تو اُس اذیت کو برداشت بھی کرسکتا ہے تو اس صورت میں اُن کو کم سے کم تکلیف پہنچا کر اپنے جسم سے دور کردے۔ اگر مارنے کے علاوہ اُن سے چھٹکارا ممکن نہیں تو اس صورت میں مارنا جائز ہے۔

اے حاجی! تو جان لے کہ تو کہاں پر ہے اور تو کس حالت میں ہے۔ تو خدا کے امن والے گھر میں ہے اور احرام کی حالت میں ہے۔ تو فقط اپنے موجودہ حال یا اپنی جان کا دفاع کرسکتا ہے۔ تو اس حالت میں جانوروں کو قطعاً نہیں مار سکتا۔ مثلاً چیونٹی اور اس قسم کے جانور جن کو تجھ سے کوئی سروکار نہیں اور اذیت نہیں

پہنچاتے یا اذیت پہنچائیں بھی تو تیرے لئے قابلِ برداشت ہے، اُن کو مارنا تو درکنار، اُن کو کسی قسم کی اذیت پہنچانے کا حق بھی نہیں رکھتا۔

اے حاجی! تو یہاں پر دوسروں کیلئے بے ضرر ہو جا۔ یہاں سے سبق سیکھ۔ یہ مدرسۂ انسانیت ہے، یہاں پر اپنی تربیت کر۔ اپنی شخصیت کو بنا۔ انسان سے انسان تر بن۔ اپنے غرور و تکبر اور خود پسندی سے باہر نکل۔

نہ صرف بے ضرر جانوروں کیلئے بلکہ کم ضرر جانور مثلاً کتا اور اس قسم کے جانور جن کو تجھ سے کوئی سروکار نہیں یا تیرے لئے بے ضرر ہیں، تو بھی اُن کیلئے صلحِ کُل بن جا، اس طرح کہ وہ تجھ سے درس لیں کیونکہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے دربار میں تمام جانور ایک دوسرے سے صلح رکھتے ہیں۔ وہ آدمیوں سے آدمی والی صفات لیتے ہیں۔ تو بھی تو مُحرِم حرم ہے، سب کیلئے صلح و محبت کا پیغام بن جا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کی کہ میں نے شہد کی مکھی کو مار دیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ اگر اتفاقی طور پر مارا ہے تو کوئی بات نہیں لیکن اگر جان بوجھ کر مارا ہے تو کچھ مقدار گندم بطور کفارہ دی جائے۔ اُس شخص نے کہا کہ اُس نے مجھ پر حملہ کیا اور میں نے دفاع کیا۔ اس میں وہ شہد کی مکھی ماری گئی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ جو حیوان بھی تم پر حملہ کرے، تم اُس کو مار دو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام علیہ السلام کی نظر میں مارنا اُس وقت جائز ہے جب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو۔

18۔ احرام کی حالت میں مرد پر حرام ہے کہ وہ اپنے سر اور کانوں کو کسی شے سے ڈھانپ دے۔ احتیاطِ واجب یہ ہے کہ وہ اپنے سر کو مہندی بھی نہ لگائے اور

اپنے سر پر کسی چیز کو نہ رکھے۔ احتیاطِ مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے سر کو اپنے ہاتھوں سے بھی نہ ڈھانپے۔

اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ حاجی احرام کی حالت میں اپنے آرام و آسائش کیلئے فکر مند نہ ہو اور نہ ہی گرد و غبار اور آفتاب سے اپنے سر کو بچائے۔ کوئی ایسا عمل انجام نہ دے جس سے اُس کی امتیازی حیثیت نظر آنے لگے۔ لیکن عورتوں کیلئے یہ حکم نہیں کیونکہ اُن کی عصمت و طہارت کا بنیادی اصول پردہ داری ہے۔

19۔ مُحرِم عورتوں پر اپنا چہرہ نقاب کے ذریعے یا کسی اور طریقہ سے چھپانا حرام ہے۔

اس حکم کا مقصد شاید یہ ہو کہ اکثر خواتین اپنے چہرے کو آفتاب کی گرمی یا موسم کی سردی سے بچاتی ہیں تاکہ اُن کے چہرے کی تر و تازگی برقرار رہے۔ اسی طرح وہ اپنے چہرے کو گرد و غبار سے بھی بچاتی ہیں۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ جب عورتیں حج کیلئے آئیں، وہ اپنے چہروں کو کسی چیز سے نہ ڈھانپیں۔ اگر گرمیِ آفتاب یا موسمی سردی یا گرد و غبار سے اُن کے چہرے کے رنگ تبدیل ہو جاتے ہیں تو ہو جائیں، شاید اس سے ہی اُن میں روحانی انقلاب آجائے۔

عورتوں کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے سروں کو برہنہ رکھیں۔ اس کی بجائے اُن کے چہرے کھلے رہنے چاہئیں تاکہ وہ بھی حالتِ احرام کی سختی کو محسوس کر سکیں۔ وہ بھی غبار آلود چہروں کے ساتھ، لیکن مکمل عفت کے ہمراہ باقی مُحرِموں میں شامل ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو، نامحرموں سے دور رہیں تاکہ حجابِ واجب برقرار رہے۔

20۔ احرام کی حالت میں مردوں پر حرام ہے کہ وہ سوار یا پیادہ زیر سایہ سفر کریں یا گزریں لیکن عورتوں اور بچوں کیلئے کوئی مضائقہ نہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ حاجی صاحبان کو باور کروانا چاہتا ہے کہ اے حاجی! جب تو نے احرام باندھ لیا تو تو خدائے بزرگ کے سائے میں آگیا ہے۔ اب تو دنیاوی سائے کیوں ڈھونڈتا ہے؟ سورج سے اور بادوباران سے بچنے کیلئے کیوں کسی کے زیرسایہ جاتا ہے؟ یہ ایک طرح کی آرام طلبی ہے۔

21۔ مُحرِم پر حرام ہے کہ وہ اپنے بدن سے خون نکالے، بے شک وہ جسم کو حرارت دینے کی وجہ سے ہو یا مسواک کرنے کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

22۔ دانت کا اُکھاڑنا حرام ہے، بے شک خون نہ بھی نکلے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ احرام کی حالت میں تجھے نہ تو دوسروں کو اذیت پہنچانے کا حق ہے اور نہ ہی اپنے بدن کو کسی قسم کی اذیت پہنچانے کا حق ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کہ تو ایک تربیتی دور سے گزر رہا ہے۔ اگر تو اپنے گزشتہ گناہوں کے بدلہ میں اپنے جسم کو اذیت پہنچائے گا تو تیرا یہ عمل نہ صرف پچھلے گناہوں کو ختم نہیں کر سکے گا بلکہ مزید گناہ کا مرتکب ہو جائے گا اور کفارہ بھی واجب ہو جائے گا۔

پس احرام کی حالت بنیادی طور پر انسان کو تربیت دیتی ہے کہ تو دوسروں کیلئے بے ضرر بن جا، حتیٰ کہ گھاس پھونس اور دیگر حیوانات تجھ سے محفوظ رہیں۔ انسان تو بہرصورت ان سب سے اعلیٰ ہے۔ اے حاجی! تو اپنے بدن پر بھی رحم کھا کیونکہ اگر تو اپنے بدن پر رحم نہیں کھائے گا تو دوسروں پر کیسے رحم کھائے گا!

23۔ مُحرِم پر اُس گھاس، پودے یا درخت کو اُکھاڑنا حرام ہے جو حرم میں اُگا ہوا ہو۔ البتہ اپنے ملک میں درخت یا پودے یا گھاس وغیرہ کو اُکھاڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اے حاجی! تو اتنا بے ضرر ہو جا کہ یہ چھوٹی سی گھاس

جو خود بخود اُگ آتی ہے یا کوئی نازک سا پودا وغیرہ بھی جو حرم میں ہو، تیرے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔ جب تو نباتات کیلئے اتنا محسن اور محبت کرنے والا بن جائے گا تو یقیناً حیوانات اور انسانوں کیلئے اس سے کہیں زیادہ محبت کرنے والا ہو جائے گا اور تیرے ہاتھ سے کسی کو آزار نہیں پہنچے گا۔

24۔ یعنی اے حاجی! تو اب ایسے مقام اور ایسی حالت میں ہے کہ جہاں صلح و صفائی اور محبت و آشتی ہے۔ لہٰذا یہاں کسی قسم کے اسلحہ اور ہتھیار کا کیا کام؟ حرمِ الٰہی تو امن کی جگہ ہے، اسلحہ سے اسے بدامنی کی جگہ نہ بنا۔ پس کسی قسم کا اسلحہ لے کر چلنا حرام ہے۔

ابھی ہم نے محرماتِ احرام اور اُن کے فلسفہ پر بحث کی، اب دیکھتے ہیں کہ واجباتِ حج کیا ہیں۔ فلسفۂ واجباتِ حج کے بارے میں سیدِ سجاد علیہ السلام سے مفصل روایت کی گئی ہے جسے جناب حجت الاسلام آقائے شیخ علی افتخاری گلپایگانی نے اپنی کتاب ''قبل از حج بخوانید'' میں نقل کیا ہے، ہم اُسے یہاں نقل کرتے ہیں، توجہ فرمائیں:

امام سجاد علیہ السلام خانۂ خدا کی زیارت کے بعد واپس لوٹے تو ایک شخص جس کا نام شبلی تھا، امامؑ سے ملا۔ امامؑ نے اُس سے پوچھا:

امامِ سجادؑ: ''شبلی! کیا تو نے اب تک حج ادا کیا ہے؟''

شبلی: ''جی ہاں! میں نے حج کیا ہے۔

امام سجادؑ: ''کیا تو میقات پر گیا تھا اور وہاں تو نے غسل کے بعد سلا ہوا لباس اُتار کر احرام باندھا تھا؟''

شبلی: ''جی ہاں! میں نے یہ عمل انجام دیا تھا''۔

امام سجادؑ: ''کیا تو نے اُس وقت اپنے دل میں یہ نیت کی تھی کہ تو اب گناہ و معصیت والا

لباس اُتار رہا ہے اور بندگی اور اطاعت والا لباس پہن رہا ہے؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''کیا تو نے سلا ہوا لباس اتارتے ہوئے یہ نیت کی تھی کہ ریا اور شکوک وشبہات والے لباس کو اُتار رہا ہوں؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''کیا غسل کے وقت تو نے یہ نیت کی تھی کہ تو اپنے گناہوں اور خطاؤں کو دھو رہا ہے؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''پس تو نے حقیقت میں نہ تو میقات پر پہنچے کا حق ادا کیا اور نہ ہی سلا ہوا لباس اُتارنے کا حق ادا کیا اور غسلِ کامل بھی انجام نہ دیا''۔

امام سجادؑ: ''کیا تو نے ظاہری صفائی کی، احرام باندھا اور حج کی نیت کی؟''

شبلی: ''ہاں قبلہ! میں نے یہ کام انجام دیئے''۔

امام سجادؑ: ''کیا اُس وقت تیری نیت تھی کہ تو توبہ کے نور سے اپنے آپ کو پاک بنائے؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''کیا جب تو نے احرام باندھا تو تُو نے نیت کی تھی کہ احرام کی حالت میں خدا نے جو جو چیزیں حرام کی ہیں، تو بھی اُنہیں حرام تصور کر رہا ہے؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو نے حج کی نیت کی اور عمرہ انجام دے کر اُسے مزید محکم کیا، اُس وقت تو نے تمام غیر اُلوہی عقد و پیمان کو کھولنے کی نیت کی تھی؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''پس حقیقت میں تو نے اپنے آپ کو پاک صاف کیا نہ ہی احرام باندھا اور نہ ہی عقدِ حج کو محکم کیا''۔

امام سجادؑ: ''کیا جب تو میقات میں داخل ہوا، اُس وقت دو رکعت نمازِ احرام پڑھی تھی اور تلبیہ کیا تھا؟''

شبلی: ''جی ہاں قبلہ! میں نے یہ اعمال انجام دیئے تھے''۔

امام سجادؑ: ''کیا جب تو میقات میں داخل ہوا، اُس وقت تو نے یہ نیت کی تھی کہ تو پاک پروردگار کی زیارت کیلئے یہاں آیا ہے اور یہ نماز، احرام اور تلبیہ تو صرف زیارتِ خداوندی کیلئے پیش خیمہ ہیں؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو نے دو رکعت نماز پڑھی، کیا اُس وقت تیری نیت یہ تھی کہ تو ایک نیک ترین عمل اور خوبصورت ترین نیکی کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کر رہا ہے؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو نے لبیک کہا تھا، اُس وقت تیری یہ نیت تھی کہ تو خدا کے ہر فرمان پر سر تسلیم خم کرتا ہے اور ہر قسم کے گناہ اور نافرمانیِ حکمِ خدا سے منہ موڑتا ہے؟''

شبلی: ''جی نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''پس تو میقات میں داخل ہی نہیں ہوا، نہ ہی نماز پڑھی اور نہ ہی تلبیہ کیا''۔

امام سجادؑ: ''جب تو حرمِ کعبہ میں داخل ہوا اور اپنی آنکھوں سے کعبہ مبارک کی زیارت کی، کیا اُس وقت وہاں نماز پڑھی تھی؟''

شبلی: ''جی ہاں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو حرم میں داخل ہوا، اُس وقت تو نے نیت کی تھی کہ آئندہ مسلمان

بھائیوں کی غیبت نہیں کروں گا اور اُن میں عیب ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کروں گا''۔

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو مکہ میں پہنچا، کیا اُس وقت تیرے دل میں یہ نیت تھی کہ تو ایک خدائی کام کیلئے یہاں پہنچا ہے اور اُسی کی زیارت کیلئے اپنے گھر سے نکلا ہے؟''

شبلی: ''نہیں''۔

امام سجادؑ: ''پس تو حقیقت میں حرم میں داخل نہیں ہوا اور نہ ہی خانۂ کعبہ کو دیکھا اور نہ ہی تو نے نماز پڑھی''۔

امام سجادؑ: ''کیا تو نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا، صفا و مروہ کے درمیان سعی کی؟''

شبلی: ''جی ہاں قبلہ! میں نے یہ اعمال انجام دیئے تھے''۔

امام سجادؑ: ''جب تو نے سعی کی تو کیا تو نے یہ نیت کی تھی کہ تو ہر کسی سے منہ پھیر لے گا اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا اور تو اُسی کی پاک بارگاہ میں آمد و رفت کر رہا ہے؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''پس تو نے حقیقت میں طواف نہیں کیا اور اُس کے ارکانِ مقدس تک نہیں پہنچا اور نہ ہی تو نے صفا و مروہ کے درمیان سعی انجام دی''۔

امام سجادؑ: ''کیا تو نے حجر اسود سے مصافحہ کیا اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر توقف کیا اور اُس مقدس مقام پر نماز پڑھی؟''

شبلی: ''جی ہاں قبلہ، میں نے یہ اعمال انجام دیئے''۔

اُس وقت امامِ سجاد علیہ السلام کے گریہ و نالہ کی آواز بلند ہوئی اور قریب تھا کہ

آپؑ کی روح آپؑ کے بدنِ اطہر سے پرواز کر جاتی، اُس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اے شبلی! جو شخص حجر اسود سے مصافحہ کرے، وہ ایسے ہے جیسے اُس نے اپنے خالق سے مصافحہ کیا۔ پس انسان ناچیز کو اپنے اس اجر عظیم کو ضائع نہیں کرنا چاہئے اور اپنے خالق سے کیئے ہوئے عہد و پیمان کو ہرگز اُس کے احکام کی خلاف ورزی کر کے نہیں توڑنا چاہئے''۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا مقامِ ابراہیمؑ پر کھڑے ہو کر تو نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے بعد تو اُس کے ہر حکم کی اطاعت کرے گا اور ہر قسم کے گناہ سے دوری اختیار کرے گا؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''کیا مقامِ ابراہیمؑ پر نماز ادا کرتے ہوئے تیرے ذہن میں یہ تھا کہ تو حضرت ابرہیم خلیلؑ اللہ کو مبارکباد دے کہ کس طرح اُنہوں نے شیطان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''پس حقیقت میں تو نے حجر اسود سے ملاقات (مصافحہ) نہیں کی کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں خدا سے عہد و پیمان باندھا جاتا ہے۔ اسی طرح تو نے مقام ابراہیمؑ پر بھی توقف نہیں کیا اور اُس مقدس مقام پر نماز بھی ادا نہیں کی''۔

امام سجادؑ: ''کیا تو آبِ زمزم کے چشمے پر گیا تھا اور وہاں سے پانی پیا تھا؟''

شبلی: ''ہاں قبلہ! وہاں گیا تھا اور پانی بھی پیا تھا''۔

امام سجادؑ: ''کیا تیرے دل میں یہ نیت تھی کہ اب میں خالق کی بندگی و اطاعت پر قائم رہوں گا اور گناہ و معصیت سے اپنی نظریں ہٹا لوں گا؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''پس حقیقت میں تو آبِ زمزم تک نہیں گیا اور نہ ہی تو نے اُس کا پانی پیا''۔

امام سجادؑ: ''کیا تو نے عرفات میں قیام کیا تھا اور جبلِ رحمت پر گیا تھا اور وادیٔ نمرہ (نمرہ ایک پہاڑ ہے جو عرفات کی حد ہے اور اُس پر حرم کی نشانی بھی نصب ہے) کو پہچانا تھا اور خدا کو جمرات کے مقام پر یاد کیا تھا؟''

شبلی: ''ہاں قبلہ، یہ اُمور انجام دیئے تھے''۔

امام سجادؑ: ''کیا عرفات کے مقام پر جا کر تو نے جانا تھا کہ خدا نے کتنے علومِ معرفت انسان کو سکھائے اور کیا تیرے ذہن میں تھا کہ خدا تیرے دل کے رازوں کو بھی جانتا ہے اور کل روزِ قیامت تیرے اعمال نامے کو تیرے ہاتھ میں دے گا؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو جبلِ رحمت کے قریب ہوا تو کیا تیرے ذہن میں تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت پر بے حد مہربان ہے اور اُن کو معاف کرنے والا ہے۔ ان کو اپنی رحمت کے سایہ میں لینے والا ہے۔ ہر مسلمان مرد اور عورت کو دوست بھی رکھتا ہے؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو وادیٔ نمرہ کے قریب پہنچا تو کیا تو نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ جب تک تو خود اطاعتِ خدا نہیں کرے گا، اُس وقت تک دوسروں کو اطاعت کرنے کا حکم نہیں دے گا اور جب تک تو خود گناہوں سے کنارہ کشی نہیں کرے گا، اُس وقت تک دوسروں کو گناہ سے بچنے کی تلقین نہیں کرے گا؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو نمرات کے قریب کھڑا تھا تو کیا تیرے ذہن میں تھا کہ خدائے زمین و آسمان نے ملائکہ مقرر کیئے ہوئے ہیں جو سارے نظام کے محافظ بھی ہیں اور نگہبان بھی ہیں اور تیرے ہر کام کی نظارت بھی کرتے ہیں؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''پس حقیقت میں تو نے عرفات میں توقف نہیں کیا، جبلِ رحمت پر نہیں پہنچا، وادیٔ نمرہ کو نہیں پہچانا اور نہ ہی خدا کو پکارا ہے''۔

اس گفتگو کے بعد امامؑ نے فرمایا: ''کیا تو وادیٔ مزدلفہ میں گیا اور وہاں سے کنکریاں اور سنگریزے جمرات کیلئے اکٹھے کیئے اور پھر مشعر الحرام کی طرف حرکت کی؟''

شبلی: ''ہاں قبلہ! میں اُس مقدس وادی میں گیا اور جو کچھ آپؑ نے فرمایا، میں نے وہاں انجام دیا''۔

امام سجادؑ: ''جب تو نے اُس مقدس وادی میں نماز ادا کی، کیا تیرے ذہن میں یہ تھا کہ یہ نماز جو شبِ عیدِ قربان ادا کر رہا ہے، وہ نماز ہے جو ہر مشکل کو آسان کر دیتی ہے اور ہر آسان کو آسان تر کر دیتی ہے؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو علمین (دو نشان) کے درمیان چل رہا تھا اور دائیں جانب یا بائیں جانب انحراف پیدا کرنے سے کترا رہا تھا، کیا اُس وقت تیرے ذہن میں تھا کہ دین حق سے بھی اسی طرح انحراف نہیں کرے گا اور اپنی زبان، ہاتھ اور دل سے بھی لغزش نہیں کرے گا؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو وادیٔ مزدلفہ میں چل رہا تھا اور جمرات کیلئے سنگریزے اکٹھے کر رہا تھا،

کیا اُس وقت تیری یہ نیت تھی کہ اپنے آپ کو اب ہر قسم کی جہالت اور معصیت سے علیحدہ کرلے گا اور اپنے آپ کو علمِ حق اور عملِ صالح سے زینت دے گا؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو مشعرالحرام سے گزر رہا تھا، کیا اُس وقت تیرے دل میں اہلِ تقویٰ اور اہلِ عمل کیلئے شوق پیدا ہوا؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''پس حقیقت میں تو نے اعلامِ حرم کو عبور ہی نہیں کیا اور نہ ہی اُس مقدس وادی میں نماز ادا کی اور نہ ہی جمرات کیلئے سنگریزے اکٹھے کئے اور نہ ہی مشعرالحرام سے گزرا''۔

امام سجادؑ: ''کیا تو منیٰ میں گیا، اُس سرزمین پر پہنچا، شیطانوں کو پتھر مارے، وہاں اپنا سر منڈوایا، دنبے کی قربانی دی، وہاں مسجدِ خیف میں نماز پڑھی اور پھر طوافِ کعبہ کیلئے مکہ واپس لوٹا؟''

شبلی: ''جی ہاں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو منیٰ میں پہنچا، کیا تو نے یہ ارادہ کیا کہ آج سے تمام مسلمان تیرے ہاتھ، تیری زبان اور تیرے دل کے شر سے محفوظ رہیں گے؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو منیٰ میں پہنچا اور شیطانوں کو پتھر مارے، کیا اُس وقت تیرے ذہن میں تھا کہ تو نے اپنی آرزو اور مقصد کو پالیا ہے اور جو بھی تیری دوسری حاجات ہیں، خدائے بزرگ و برتر اُنہیں بھی پورا فرمادے گا؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو شیطان کو سنگریزے مار رہا تھا، کیا تو نے سوچا کہ آج تو اپنے سخت ترین دشمن شیطان اور اُس کے لشکریوں کو سنگریزے مار رہا ہے؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تو اپنے بال کٹوا رہا تھا، کیا تو نے گمان کیا کہ تو ہر قسم کی گندگی اور ناپاکی سے باہر آرہا ہے اور تمام گناہوں سے پاک ہورہا ہے اور ایسے ہورہا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تم مسجد خیف میں نماز ادا کررہے تھے، کیا اُس وقت تمہارے ذہن میں تھا کہ سوائے مخالفتِ خدا کے کسی اور چیز سے نہیں ڈروگے اور خدا کی رحمت کے علاوہ کسی اور سے اُمید نہیں رکھوگے؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تم قربانی کے جانور کو ذبح کررہے تھے، کیا اُس وقت تم نے تصور کیا تھا کہ تم تمام طمع و لالچ کے گلے پر چھری چلارہے ہو اور اس کام میں حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ کی پیروی کررہے ہو جنہوں نے اپنے پیارے بیٹے کو اپنے دوست کے حکم سے قربان گاہ میں حاضر کردیا تھا تاکہ اُس کی قربانی پیش کریں؟''

شبلی: ''نہیں قبلہ''۔

امام سجادؑ: ''جب تم مکہ واپس لوٹے اور طوافِ کعبہ کیا، کیا اُس وقت تمہاری یہ نیت تھی کہ تم رحمتِ حق کے سمندر سے باہر آرہے ہو اور اُس کی بندگی اور اطاعت کے سامنے تسلیم خم کررہے ہو، اُس کی دوستی کو پا رہے ہو اور اپنے فرائض ادا کرکے اُس کا تقرب حاصل کررہے ہو؟''

شبلی: "نہیں قبلہ"۔

امام سجادؑ: "پس حقیقت میں تم منیٰ تک نہیں پہنچے اور شیطانوں کو پتھر نہیں مارے، اپنے سر کے بال نہیں کٹوائے، اپنی قربانی کو ذبح نہیں کیا اور پروردگار کا تقرب حاصل نہیں کیا"۔

ان تمام باتوں کو سننے کے بعد شبلی پریشان ہو گیا اور حسرت بھری نگاہوں سے اُن اعمال کو سوچنے لگا جو اُس سے دورانِ حج فوت ہو گئے تھے۔

یہ روایات فضیلتِ حج اور اسرارِ حج کے بارے میں تھیں لیکن جبرئیلؑ کی آرزو تو تھی کہ وہ حاجیوں کو مراسمِ حج کے دوران پانی پلائیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ حضرتِ جبرئیلؑ نے تمام مناسکِ حج کے دوران حاجیوں کو صرف پانی پلانے کی آرزو کیوں کی!

اس کا جواب پانی پلانے کی اہمیت کے بارے میں مختلف روایات سے ملے گا۔ حضرتِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین صدقہ (لوگوں پر احسان کرنا) پانی پلانا ہے۔

جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ بہترین صدقہ اور لوگوں پر احسان کرنا اُن کو پانی پلانا ہے تو کیا بہتر کہ یہ احسان موسمِ حج میں حاجیوں پر کیا جائے، جب پیاس اُن کو بے حال کر دیتی ہے اور بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ خانۂ خدا کے زائرین خود بھی اس حقیقت سے آشنا ہیں اور اس عظیم ثواب جس کی آرزو حضرتِ جبرئیل علیہ السلام کر رہے ہیں، سے غافل نہ رہیں۔

اس بحث کے خاتمہ میں مناسب ہوگا کہ ہم متفرقات پر بھی غور کریں تا کہ یہ جامع بحث مکمل کی جا سکے۔

متفرقات

آیئے دیکھتے ہیں کہ مکہ و مدینہ شہروں کے جغرافیائی محل وقوع کیا ہیں اور ان کے ناموں کو رکھنے کی وجوہات کیا ہیں؟ اُمید ہے کہ یہ معلومات حجاج کرام کیلئے خصوصی طور پر اور عام مسلمانوں کیلئے عمومی طور پر فائدہ مند ہوں گی۔

شہر مکہ

یہ شہر مقدس مختلف ناموں سے مشہور ہے۔ قرآنِ مجید میں اس کیلئے چار نام لئے گئے ہیں:

1۔ مکہ

2۔ اُم القریٰ

3۔ بکہ

4۔ بلدالامین

لفظ مکہ، مُکاء سے نکلا ہے اور مُکاء کا مطلب تالی بجانا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں جب لوگ اس کے طواف کے لئے آتے تھے تو اُس وقت نماز سے تو وہ آشنا نہ تھے، سجدہ کرنا جانتے نہ تھے، لٰہذا وہ فقط تالی بجا کر اور مخصوص آواز نکال کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اس شہر کو مُکاء کہا گیا۔

اُم القریٰ میں ''اُم'' کے معنی ماں کے ہیں اور قریٰ، قریہ کی جمع ہے۔ چونکہ زمین کا محور یا نقطہ آغاز یہ سرزمین تھی، اس لحاظ سے اسے اُم القریٰ کہتے ہیں۔

بکہ کا مادہ بک (بروزنِ فک) ہے جس کا مطلب اژدہامِ مردم یا اجتماعِ افراد ہے۔ اس کو بکہ اسی واسطے کہا جانے لگا کہ یہاں لوگوں کا اجتماع باقی شہروں کی نسبت ہمیشہ

زیادہ ہوتا تھا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بکہ کے معنی غرور وتکبر کو اکھاڑنے والا کے ہیں کیونکہ یہ مقام بزرگ ترین اور مقدس ترین مقام تصور کیا جاتا تھا۔ لہٰذا تمام بڑے بڑے اُمراء اور رئیس جو عام حالات میں متکبر اور مغرور ہوتے تھے، یہاں آکر عام آدمی کی طرح دعائیں مانگتے تھے، اس طرح اس کو غرور وتکبر کو مٹانے والا تصور کیا جاتا تھا۔

بلد الامین کے معنی ہیں امن والا شہر۔ یہ شہر زمانۂ جاہلیت میں بھی امن وسلامتی والا شہر تصور کیا جاتا تھا۔ یہاں پر کسی کو کسی دوسرے پر زیادتی کا حق نہ تھا، یہاں تک کہ قاتل اور مجرم بھی یہاں آکر اپنے آپ کو امن میں پاتے تھے۔

یہ سرزمین دین اسلام میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ جب یہاں کے حیوانات، درخت اور پرندے امن میں ہیں تو انسان تو بہر حال اشرف المخلوقات ہے، وہ امن میں کیوں نہیں ہوں گے۔

معنیِ کعبہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کعبہ کو کعبہ کیوں کہتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا کیونکہ اس کے چار کونے اور مربع شکل ہے۔ پوچھا گیا کہ اس کے کونے چار کیوں ہیں اور یہ مربع شکل کیوں ہے؟ آپؑ نے جواب دیا کہ یہ بیت المعمور کی شکل پر ہے اور اُس کے بھی چار کونے ہیں۔

پھر سوال کیا گیا کہ بیت المعمور کے چار کونے کیوں ہیں؟ آپؑ نے جواب دیا کہ بیت المعمور عرش کی شکل میں ہے۔ پھر سوال کیا گیا کہ عرش کے چار کونے کیوں ہیں تو آپؑ نے جواب میں فرمایا کہ اسلام کی بنیاد چار کلموں پر ہے جو یہ ہیں:

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ"۔

بیت اللہ الحرام کے معنی

حنان کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ خانۂ خدا کو بیت اللہ الحرام کیوں کہتے ہیں؟

آپؑ نے جواب دیا: اس واسطے کہ اس میں مشرکین کا داخل ہونا حرام ہے۔

بیت العتیق کے معنی

حضرت امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ بیت اللہ کو بیت العتیق کیوں کہا جاتا ہے؟ آپؑ نے جواب دیا کہ اللہ کا یہ گھر آزاد ہے اور کسی کے بھی زیر اثر نہیں۔ عتیق کے معنی "لوگوں کے شر سے آزاد کیا ہوا" کے ہیں۔

ایک اور روایت میں کہا گیا ہے کہ عتیق کے معنی (طوفانِ نوحؑ سے) غرق ہونے سے آزادی بھی ہے۔

خانۂ کعبہ

ابو بصیر، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا کہ دین بھی اُس وقت تک قائم ہے جب تک کعبہ قائم ہے۔

خانۂ خدا عین دنیا کے وسط میں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ خانۂ خدا دنیا کے عین وسط میں کیوں واقع ہے؟ آپؑ نے جواب میں فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ خانۂ خدا پہلا

نقطۂ زمین ہے۔ اس مقام کے بعد زمین کو اس طرح پھیلایا گیا کہ یہاں سے مشرق اور مغرب کا فاصلہ مساوی ہو گیا۔

حج کے معنی کیا ہیں؟

ایک شخص نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا کہ زیارتِ خانۂ خدا کو حج کیوں کہا جاتا ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ حج کے معنی کامیابی ہے:

"وَحَجَّ فلان ای اَفلَحَ فلان".

یعنی "فلاں اس عمل سے زیارتِ خانۂ خدا میں کامیاب ہوا"۔

حرم کی حدود اور اُس کی وجہ

حرمِ کعبہ کی حدود مختلف سمتوں میں مختلف ہیں اور اس حرمت کی وجہ کیا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے بارے میں امام علی ابن موسیٰ رضا علیہم السلام سے پوچھا گیا۔

آپؑ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے پوچھا کہ حرم کی حدود، کعبہ سے مختلف سمتوں میں کم اور زیادہ کیوں ہیں اور اس حرمت کی وجہ کیا ہے؟ تو میرے والدؒ بزرگوار امام موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام نے فرمایا:

"جب حضرتِ آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین کی طرف بھیجا گیا تو وہ کوہِ ابوقبیس پر اُترے اور چونکہ وہ اُس وقت تنہا تھے تو اُنہوں نے اپنے رب سے اس تنہائی اور وحشت کی شکایت کی۔ پروردگار نے ایک سرخ یاقوت اُن کی دل لگی کیلئے بھیجا۔ حضرتِ آدمؑ نے اُس یاقوت کو، جہاں اب خانۂ کعبہ ہے، رکھا۔ اُس یاقوت میں سے نکلنے والی روشنی نے حضرت آدمؑ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ حضرت آدمؑ نے بھی اب مختلف سمتوں میں سیر شروع کی اور گھومنا شروع کیا۔ اس یاقوت کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی اور جہاں جہاں تک اس

یاقوتِ سرخ کی روشنی پھیلی، وہیں وہیں تک حرم کی حدود مقرر کی گئی۔ سب سے پہلے جس کسی نے حرم کی حدود مقرر کر کے اُن کی نشاندہی کی، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِن حدود کا تعین حضرت جبرئیلؑ کی مدد سے فرمایا۔

آٹھویں تاریخ کو ترویہ کیوں کہتے ہیں؟

کتاب ''فقیہ''، جلد دوم، صفحہ ایک سو ستائیس پر آٹھ ذوی الحجہ کو یومِ ترویہ کہنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بہت عرصہ پہلے عرفات میں پانی نہ تھا۔ لوگ عرفات میں اپنے لئے پانی مکہ سے لاتے تھے اور چونکہ آٹھ تاریخ کو حاجی مکہ سے عرفات کیلئے نکلتے ہیں، اُس وقت ایک دوسرے کو پانی ساتھ لے جانے کی یاددہانی کرواتے تھے اور کہتے تھے ''ترویتم، ترویتم'' یعنی پانی اُٹھایئے، پانی اُٹھایئے۔ اس واسطے اس دن کو ترویہ کا نام دیا گیا۔

تلبیہ کب شروع ہوئی

کتاب ''فقیہ''، جلد دوم، صفحہ دو سو بارہ پر درج ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اللہ نے اُمتِ محمد کو ندا دی کہ ''اے اُمتِ محمدؐ.....!'' تو تمام اُمتیں جو باپوں کی پشتوں میں تھیں اور ماؤں کے رحموں میں تھیں، اُنہوں نے جواب دیا:

''لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ. اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ''.

پس اللہ نے اس جواب کو شعارِ حج قرار دیا۔

ثوابِ تلبیہ

کتاب ''کافی''، جلد چہارم، صفحہ تین سو سینتیس اور کتاب ''فقیہ''، جلد دوم، صفحہ ایک سو اکتیس پر حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''جو جو احرام کی حالت میں خدا کی خوشنودی کیلئے ستر مرتبہ تلبیہ پڑھے گا، پروردگار ہزار ہزار فرشتے اُن پر گواہ بنائے گا کہ وہ آتش اور نفاق سے دور ہوگا اور ہر مرتبہ تلبیہ پڑھنے سے دس نیکیاں عطا کی جائیں گی اور دو گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

مسجد الحرام کی خاص خاص باتیں

مرحوم کلینی کتاب ''کافی'' میں روایت نقل کرتے ہیں کہ جب ایک مؤمن حج کے قصد سے گھر سے نکلتا ہے اور مسجد الحرام میں داخل ہوتا ہے، پھر خانۂ خدا کا طواف کرتا ہے، طوافِ واجب بجالاتا ہے اور مقامِ ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک فرشتہ اُس شخص کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے:

''اے حاجی! تیرے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں، آئندہ کیلئے فکر کر اور محتاط رہ''۔

شرافتِ مسجد الحرام

مسجد الحرام کی فضیلت اور شرافت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ مسجد الحرام میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب باقی مساجد میں ایک لاکھ نمازیں پڑھنے کے ثواب کے برابر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خانۂ کعبہ کے اطراف میں ایک سو بیس بابِ رحمت اپنے بندوں کیلئے قائم کر دیئے ہیں جن میں سے ساٹھ

دروازے طواف کرنے والوں کیلئے ہیں، چالیس دروازے نماز پڑھنے والوں کیلئے ہیں اور بیس دروازے صرف زیارت کرنے اور دیکھنے والوں کیلئے ہیں۔

پس اے حاجی! تو ابوابِ رحمتِ خدا کے قریب ہے، طواف و نماز اور کعبہ پر نظر کرنے سے غفلت نہ کرنا۔

طوافِ خانۂ خدا

اسماعیل خثعمی امام جعفرؑ صادق کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''جب ہم مکہ پہنچے تو میرے ساتھی سیدھے خانۂ خدا میں طواف کیلئے چلے گئے جبکہ میں اُن کے اور اپنے سامان کو نزدیک واقع جائے سکونت پر اُتارنے کیلئے چلا گیا۔ اس لئے میرے طواف میں کچھ تاخیر ہوگئی''۔

امامؑ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ ثواب تو تُو لے گیا''۔ (یعنی تو نے حاجیوں کی خدمت بھی کی اور خود بھی طواف کیا)۔

ایک طواف سب کیلئے

ابراہیم حضرمی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا کہ میں مکہ سے مدینہ لوٹا۔ میں نے مسجد النبی میں حضرت امام موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام کو دیکھا کہ وہ منبر اور قبر کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اُنؑ کی خدمت میں عرض کیا:

''یا بن رسول اللہ! اکثر ایسے ہوتا ہے کہ جب میں مکہ جاتا ہوں تو کوئی مجھ سے کہتا ہے کہ ایک طواف اور دو رکعت نماز میری طرف سے بجالانا۔ میں اِن کو بجالانے میں غفلت کر جاتا ہوں اور اپنے دینی بھائی کی درخواست پر عمل نہیں کر سکتا ہوں۔ جب واپس لوٹتا ہوں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اُن کو کیا جواب دوں؟''

آپؑ نے فرمایا: ''جب تم مکہ جاؤ اور اپنے اعمال سے فارغ ہو جاؤ تو ایک طواف اور کرو اور دو رکعت نماز پڑھو، پھر اس طرح کہو:

''اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَاالطَّوَافَ وَھَاتَیْنِ الرَّکْعَتَیْنِ عَنْ أَبِی وَاُمِّی وَعَنْ زَوجَتِی وَعَنْ وُلْدِی وَعَنْ خَاصَّتِی وَعَنْ جَمِیعِ اَھْلِ بَلَدِی حُرِّھِم وَعَبْدِھِم وَاَبْیَضِھِمْ وَ اَسْوَدِھِمْ''

''پروردگارا! یہ طواف اور دو رکعت نماز میرے والد، والدہ، میری زوجہ، میرے بچوں، میرے خاص الخاص عزیزوں، دوستوں اور تمام اہلِ شہر کی طرف سے ہے، جو آزاد ہیں یا غلام ہیں، سفید رنگ والے ہیں یا سیاہ رنگ والے''۔

اگر اس طرح تم نے عمل کیا تو پھر کوئی عیب نہیں کہ تم ہر ایک اہلِ محلّہ، دوست اور رشتہ دار سے کہو کہ میں نے تمہارے لئے طواف بھی کیا اور نماز بھی پڑھی''۔

مقامِ ابراہیمؑ

مسجد الحرام میں دوسرا خاص مقام، مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے کہ جہاں حضرت ابراہیمؑ کے پاؤں کے نشان پتھر پر ثبت ہیں۔ اس مقام کی عظمت و شرافت کیلئے بس یہی کافی ہے کہ ہر طواف کرنے والے پر لازم ہے کہ نمازِ طوافِ واجب کو اس مقام کے پیچھے ادا کرے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ مقامِ ابراہیمؑ کی پشت پر دو رکعت نماز برابر ہے چھ غلاموں کو آزاد کرنے کے اور دو ہزار رکعت نمازِ مقبول کے۔

حجر اسود

حجر اسود یعنی سیاہ رنگ کا پتھر جو بیضوی شکل میں ہے اور کعبہ کے شرقی رکن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دستِ مبارک سے نصب کیا گیا تھا۔ طواف یہیں سے شروع کیا جاتا ہے اور یہیں پر ختم ہوتا ہے۔

حماد بن عثمان کہتے ہیں کہ ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

''یابن رسولؐ اللہ! حجر اسود پر ہاتھ ملنے کے بارے میں فرمایئے''۔

آپؑ نے فرمایا: ''پیغمبرؐ خدا حجر اسود پر اپنا ہاتھ پھیرتے تھے''۔

اُس شخص نے کہا: ''قبلہ! آپؑ اپنا ہاتھ حجر اسود پر کیوں نہیں پھیرتے؟''

آپؑ نے جواب دیا: ''میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کو اذیت پہنچے''۔

اُس شخص نے پھر کہا: ''جیسے آپؑ نے فرمایا کہ رسولِؐ خدا حجر اسود پر اپنا ہاتھ پھیرتے تھے''۔

آپؑ نے کہا: ''ہاں! جب رسولِؐ خدا حجر اسود کے قریب جانا چاہتے تھے تو لوگ اُن کا حق پہچانتے ہوئے اُن کو راہ دے دیتے تھے لیکن افسوس کہ لوگ ہمارا حق نہیں پہچانتے''۔

رکنِ یمانی

کتاب ''کافی''، جلد چہارم، صفحہ چار سو آٹھ پر زید شحام سے حسبِ ذیل روایت نقل کی گئی ہے کہ جب امام جعفر صادق علیہ السلام رکنِ یمانی تک پہنچتے تھے، اُس کو اپنی بغل میں لے لیتے تھے۔ آپؑ نے فرمایا کہ رسولِؐ خدا کا ارشاد ہے کہ جب بھی میں رکنِ یمانی

تک پہنچتا تھا، جبرئیلؑ مجھ سے پہلے رکنِ یمانی کو بغل میں لئے ہوتے تھے۔

ایک اور حدیث میں آپ کا فرمان ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو خلق کیا، اُسی روز سے ایک فرشتہ رکنِ یمانی پر معین ہے جس کا اور کوئی کام نہیں سوائے اس کے کہ تمہاری دعاؤں پر آمین کہے۔ پس ہر شخص کو دقت کرنی چاہئے کہ اُس کی دعا کیا ہے اور وہ خدا سے کیا چاہتا ہے!

ایک اور حدیث میں یہ کہا گیا کہ رکنِ یمانی بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جس روز سے یہ دروازہ کھولا گیا ہے، یہ بند نہیں کیا گیا اور ہم اُس دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ دروازہ ہمارے شیعوں کیلئے بھی کھلا ہے لیکن دوسروں کیلئے بند ہے۔ جب بھی کوئی مؤمن اُس کے نزدیک ہو کر دعا کرتا ہے تو اُس کی دعا بلند ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ عرش تک پہنچتی ہے اور اللہ اور اس دعا کے درمیان ایک حجاب کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، اے حاجی! جب بھی رکنِ یمانی اور حجر اسود کے درمیان ہو تو یہ دعا مانگ:

"رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا و آخرت میں حَسَنَةً (نیکی و بھلائی) عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا"۔

امام باقر علیہ السلام جب بھی رکنِ یمانی تک پہنچتے تھے، اُس پر اپنا ہاتھ ملتے تھے اور کہتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيَّ حَتّٰى اَتُوْبَ وَاَعْصِمْنِي حَتّٰى لَا أَعُوْدَ"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اس مقام (رکنِ یمانی) پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو تمام اہلِ زمین کی آواز کو سن سکتا ہے اور جب بھی کوئی پیغمبر اکرمؐ پر درود بھیجتا ہے، یہ فرشتہ اُس درود کو پیغمبر خداؐ کی خدمت میں پہنچا دیتا ہے۔

مستجار یا ملتزم

مستجار یا ملتزم وہ جگہ ہے جہاں پر آتش جہنم سے خدا کی پناہ لی جاتی ہے اور وہ خانۂ خدا کی پشت پر اور رکنِ یمانی کے نزدیک ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم طواف میں ساتویں دفعہ اُس جگہ پہنچو جہاں تم پشتِ کعبہ پر ہو اور دروازے کے سامنے ہو تو کہو:

"اَللّٰھُمَّ اَلْبَیْتُ بَیْتُکَ وَالْعَبْدُ عَبْدُکَ وَھٰذَا مَقَامُ الْعَائِذُ بِکَ مِنَ النَّار، اَللّٰھُمَّ مِنْ قَبْلِکَ الرُّوْحُ وَالْفَرَجُ"

اور رکنِ یمانی کو استلام (ہاتھ ملنا) کرو یا بوسہ دو یا اشارہ کرو اور پھر حجر اسود کے نزدیک جاؤ اور طواف کو ختم کرو۔

حطیم کیا ہے

لغت میں حطیم کے معنی توڑنے کے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حطیم کو حطیم کیوں کہتے ہیں تو آپؑ نے فرمایا کہ لوگ اس مقام پر ایک دوسرے کو دھکیلیں گے اور شکستہ کریں گے۔ حطیم، حجر اسود اور خانۂ خدا کے دروازے کے درمیان ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ نے حضرتِ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی تھی۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ یومیہ نمازوں کیلئے مسجد الحرام کی بہترین جگہ

حطیم ہے۔اس کے بعد مقامِ ابراہیمؑ کی پشت ہے،اس کے بعد حجر اسماعیل ہے اوراس کے بعد جو بھی جگہ خانۂ خدا کے نزدیک ہو۔

حجر اسماعیل

دیوار نیم دائرہ کی شکل میں جس کی اونچائی صرف ایک میٹر،تیس سنٹی میٹر ہے،کعبہ کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ یہ حجر اسماعیل کے نام سے مشہور ہے۔حضرتِ اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی ہاجرہ کی قبریں یہیں پر واقع ہیں۔اس حجر میں سنہری پرنالہ بھی ہے جس کے دونوں جانب یہ قبور ہیں۔قبور سبز رنگ کے بیضوی شکل کے پتھروں سے نمایاں ہیں۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق کثیر انبیاء کی قبریں بھی یہاں موجود ہیں۔

سنہری پرنالہ

یہ پرنالہ خانۂ کعبہ کے شمالی حصہ میں واقع ہے اور بارش کا پانی اسی کے ذریعے سے حجر اسماعیل پر گرتا ہے۔کافی،جلد 4،صفحہ 210 پر ابو ہلال مکی سے روایت کی گئی ہے،وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام خانۂ کعبہ کے دروازے سے حجر اسماعیل میں داخل ہوئے اور آپؑ نے پرنالہ کے مقابل نماز ادا کرنا شروع کی۔

میں نے کہا:''یا بن رسولؐ اللہ! میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا کہ اہلِ بیتؑ کے کسی فرد نے پرنالہ کے سامنے نماز ادا کی ہو؟''

آپؑ نے فرمایا:''یہ وہ جگہ ہے جہاں ہارون علیہ السلام کے دو فرزند شبر اور شبیر نے نماز ادا کی''۔

غلافِ کعبہ

محمد بن مسلم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: فرزندِ رسولؐ! ایک شخص نے حجاج سے غلافِ کعبہ کا ٹکڑا خریدا ہے۔ کیا وہ اس کو بیچ سکتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''غلافِ کعبہ کے حصے کو ہدیہ کے طور پر دینا یا خرید وفروخت کرنا یا تبرک کے طور پر تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں''۔

مسجد الحرام کے دروازے

جامع اللطیف نے مسجد الحرام کے اُنیس دروازوں کا ذکر کیا ہے۔ اُن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

باب السلام

اس کو بابِ علیؑ اور بابِ بنی شیبہ بھی کہتے ہیں۔ یہ صفا کے جانب کھلتا ہے۔

باب النبی

یہ وہ دروازہ ہے جہاں سے پیغمبرِؐ خدا حضرتِ خدیجہؑ کے گھر آیا جایا کرتے تھے۔

باب العباس

یہ وہ دروازہ ہے جو عباس بن عبدالمطلب کے گھر کے سامنے واقع تھا اور وہ اس سے آمد ورفت کیا کرتے تھے۔

زم زم

زم زم کا کنواں مقامِ ابراہیمؑ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کنویں کا تاریخی پس منظر جو عوام وخواص میں مشہور ہے، کچھ اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بحکمِ خدا

اپنی زوجہ بی بی ہاجرہؑ اور بیٹے اسماعیلؑ کو لے کر مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں آ گئے۔ کچھ روز گزرنے کے بعد تمام پانی ختم ہو گیا۔ پیاس کی شدت سے حضرت اسماعیلؑ بیتاب ہو گئے۔ بی بی ہاجرہؑ بچے کیلئے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے درمیان چکر کاٹنے لگیں۔ ان حالات میں رحمتِ خداوندی کو جوش آیا اور بچے کے پاؤں کی رگڑ سے وہاں ایک چشمہ جاری ہو گیا جس کا پانی ہمیشہ اور ہر حال میں باعثِ شفا اور بابرکت ہے۔

پیغمبرؐ خدا جب مدینہ میں سکونت پذیر تھے تو آبِ زم زم کی سفارش کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب آبِ زم زم پیو تو ساتھ یہ کہو:

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ عِلْمًا نافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَائاً مِنْ كُلِّ دَاءٍ وَسُقْمٍ''

صفا و مروہ

صفا و مروہ دو چھوٹے پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے سامنے واقع ہیں اور کعبہ کی مشرقی سمت میں واقع ہیں۔ کوہِ صفا اصل میں بڑے پہاڑ ''ابوقبیس'' کے دامن میں ہے اور کوہِ مروہ پہاڑ ''قینقاع'' کے دامن میں واقع ہے۔ صفا اور مروہ کا درمیانی فاصلہ تقریباً 420 میٹر ہے۔

صفا اور مروہ کیا ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کوہِ صفا کو صفا اس واسطے نام دیا گیا کہ حضرتِ آدم علیہ السلام کو لقب ''مصطفیٰ'' سے جب نوازا گیا تو وہ اُس وقت اسی پہاڑ پر تھے۔ لہٰذا اس لقب ''مصطفیٰ'' سے ہی کچھ الفاظ لے کر اس پہاڑ کو صفا کا نام دیا گیا۔

کوہِ مروہ کو اس واسطے مروہ کہتے ہیں کہ اماں حوا اس پہاڑ پر تھیں اور چونکہ عورت کو

عربی میں امراۃ کہتے ہیں، لہٰذا اسی وجہ سے اس پہاڑ کو مروہ کا نام دیا گیا۔

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا کہ مسعٰی (یعنی صفا و مروہ) خدا کے نزدیک بہترین مقام ہے کیونکہ یہاں پر ہر منکر اور سرکش کا غرور خاک میں مل جاتا ہے۔

صفا و مروہ میں تیز تیز چلنے کا مقصد

صفا و مروہ کے درمیان تیز تیز چلنے کا مقصد ہے کہ ہر سال بی بی ہاجرہؑ (حضرت اسماعیلؑ کی والدہ) کی سنت کو دہرایا جائے اور یاد رکھا جائے۔

کہتے ہیں کہ بی بی ہاجرہ علیہا السلام جب اپنے بچے کی پیاس سے پریشان اور بیتاب ہوگئیں تو پانی کی تلاش میں نکل پڑیں اور چند مرتبہ پریشانی کے عالم میں صفا و مروہ کے درمیان تیز تیز چلنے لگیں اور اپنے خدا سے رحم و کرم کی درخواست کرنے لگیں۔

ایک مرتبہ واپس لوٹیں تو دیکھا کہ اسماعیلؑ کے پاؤں کے نیچے سے چشمہ جاری ہے۔ بی بی ہاجرہؑ خوش ہوگئیں اور وہاں بیٹھ گئیں۔

بی بی ہاجرہؑ نے چونکہ ان سخت ترین حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی اور اپنے شوہر کی اطاعت کی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُن کی اور اُن کے بیٹے کی حفاظت کی۔ اُن کا نام ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ و جاوید بنایا اور اُن کی سنت کو مسلمانوں کیلئے حج کے دوران واجب قرار دے دیا۔

عرفات

عرفات ایک وسیع و ہموار میدان ہے جو مکہ کے شمال میں 24 کلومیٹر پر واقع ہے اور یہ حرم کی حدود سے باہر ہے۔

معاویہ بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں

عرض کیا:

''یابن رسولؐ اللہ! مجھے یہ بتائیں کہ اس وسیع میدان کو عرفات کیوں کہتے ہیں؟''

آپؑ نے فرمایا: ''اس کو عرفات اس لئے کہا جاتا ہے کہ عرفہ کے روز ظہر کے وقت جبرئیلؑ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا:

''یا ابراہیم خلیل اللہ! اس جگہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں اور اعمالِ حج کو بجا لائیں اور جان لیں کہ کلمہ اعتراف کی خاطر اس سرزمین کو عرفات کا نام دیا گیا ہے''۔

عرفات میں مومنِ عاقل کون ہے

جس طرح دنیاوی کاموں میں عقل مند ہونا ضروری ہے، اسی طرح دعا کرنے میں بھی خصوصاً روزِ عرفہ، میدانِ عرفات میں دعائیں مانگنے کیلئے عقل مند ہونا ضروری ہے۔

عرفات میں دعا مانگتے وقت وہ مؤمن عقل مند ہے جو اس وقت دوسروں کو بھی یاد رکھے۔

ایک شخص روایت کرتا ہے کہ میں نے حج کے دوران روزِ عرفہ عرفات میں عبداللہ بن جندب کو دیکھا کہ اُس نے اپنے ہاتھ جوڑے ہوئے آسمان کی طرف بلند کئے ہوئے تھے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے جو زمین پر آ رہے تھے۔

جب وہ دعا مانگ چکا تو وہ لوگ اُس کے پاس گئے اور میں بھی عبداللہ بن جندب کے پاس گیا اور کہا کہ تم کتنے خوش نصیب ہو جو اس طرح دعا مانگ رہے تھے۔ میں نے کسی کو تمہاری طرح دعا مانگتے ہوئے نہیں دیکھا۔

عبداللہ نے جواب میں کہا کہ خدا کی قسم! میں نے اپنے لئے تو کوئی دعا نہیں مانگی بلکہ جو دعا بھی مانگی، وہ اپنے دینی بھائیوں کیلئے مانگی کیونکہ میں نے امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دینی بھائی کیلئے اُس کی عدم موجودگی میں دعا مانگتا ہے تو عرش سے ایک ندا آتی ہے کہ ایک لاکھ مرتبہ یہ دعا تیرے لئے بھی ہو۔ میں اس پر

راضی نہ تھا کہ ایک لاکھ مرتبہ جو دعا میرے لئے ہو، اُسے صرف اپنے لئے مانگ کر ضائع کردوں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ جو دعا اپنے لئے مانگی جائے، وہ قبول بھی ہو یا نہ ہو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ عرفہ کے روز امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک سائل کو دیکھا جو لوگوں سے سوال کررہا تھا۔ آپؑ نے اُس سے فرمایا:

''افسوس ہے تجھ پر کہ تو آج کے روز بھی غیر خدا سے سوال کرتا ہے، حالانکہ آج کے دن تو اُمید کی جاتی ہے کہ خدائے بزرگ اُن بچوں کو، جو ابھی ماؤں کے پیٹوں میں ہیں، اُن پر بھی توجہ فرمائے گا اور اُن کو سعادت مند بنائے گا''۔

مشعر الحرام

مشعر الحرام اُس وسیع سرزمین کو کہتے ہیں جو منیٰ اور عرفات کے درمیان واقع ہے اور اُس کو مزدلفہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس وادی میں کوئی عمارت نہیں سوائے ایک مسجد کے جو بہت بڑی ہے اور یہاں واقع ہے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وادیٔ مشعر الحرام میں حشرات اور جانوروں کی تعداد دنیا کے باقی تمام بیابانوں کی نسبت زیادہ ہے۔ لیکن جب ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ پہنچتی ہے تو ایک ندا آتی ہے کہ اے گروہِ حشرات اور جانوران! خدائی مہمانوں سے دور رہو۔ اس ندا کے بعد تمام حشرات اپنی اپنی بلوں میں گھس جاتے ہیں اور جب حاجی لوگ وہاں سے روانہ ہوجاتے ہیں تو یہ حشرات بھی اپنی اپنی جگہوں پر واپس آجاتے ہیں۔

منیٰ

منیٰ ایک وسیع بیابان ہے جو مکہ کے مشرق میں چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر مکہ اور مشعر الحرام کے درمیان واقع ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب حجاج منیٰ میں داخل ہوتے ہیں اور اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو ایک منادی ندا دیتا ہے:

''اے زمینِ منیٰ! تیرے مہمان آگئے ہیں، اپنے زواروں کو جگہ دے''۔

ایک اور منادی ندا دیتا ہے:

''اے زائرین خانۂ خدا!! اگر تم جانتے ہوتے کہ تمہارا خدا تم پر کتنا کریم ہے تو ہر وقت تمہیں یہ یقین ہوتا کہ اُس رحیم خدا نے تمہیں بخش دیا ہے اور تم سے تمام رنج و مشکلات دور کر دیئے ہیں۔ جو جو مالی اخراجات تم کر کے آئے ہو، خدا اُس کا بہترین اجر دے گا''۔

بے شک تمام منیٰ کی سرزمین پر قربانی کرنا جائز ہے لیکن حاجیوں کیلئے وہاں قربان گاہ بنادی گئی ہے اور حاجی صاحبان وہاں اپنی اپنی قربانیوں کو ذبح کریں۔

پیغمبرؐ خدا فرماتے ہیں کہ بے عیب اور اچھی قربانی کا انتخاب کریں کیونکہ وہ پل صراط پر سے گزرنے کے لئے تمہاری سواری کی مثل ہے۔

منیٰ کے معنی

مجمع البیان میں بیان کیا گیا ہے کہ منیٰ بروزنِ اِلیٰ ہے اور یہ مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ عقبہ سے شروع ہو کر وادیٔ مُحَسّر تک ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جبرئیلؑ حضرتِ ابرہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور عرض کی:

''اے ابراہیم خلیل اللہ! اپنی آرزو کو اپنے پروردگار سے مانگ''۔

عربی زبان میں آرزو کو منیٰ کہا جاتا ہے، لہٰذا اس نظریہ سے اس سرزمین کو منیٰ کہا جانے لگا۔

مجمع البیان میں کہا گیا ہے کہ منیٰ کو اس لئے منیٰ کہا جاتا ہے کہ یہاں قربانی کا خون

گرایا جائے گا۔

جمرات

جمرات اُن ستونوں کو کہتے ہیں جو پتھر اور سیمنٹ سے بنائے گئے ہیں۔ اُن کی اونچائی تقریباً ڈیڑھ میٹر ہے۔ جمرات کے چاروں طرف پیالہ نما بنایا گیا ہے کہ تمام پتھر جو اِن کو مارے جائیں، وہاں جمع ہوں۔

رمی جمرات یعنی شیطانوں کو پتھر مارنا حج کے واجبات میں سے ہے۔ اس کی تفصیل مناسکِ حج میں ملے گی۔

ثوابِ رمی جمرہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہر پتھر جو شیطان کو مارا جاتا ہے، اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ حاجی کا ایک بڑا گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ آپؑ نے مزید فرمایا کہ جب بھی پتھر مارو تو اللہ اکبر بھی کہو۔ رمی جمرات کا وقت بے شک صبح طلوعِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے لیکن اس کی افضلیت کا وقت ظہر کا ہے۔

رمی جمرات کیوں

علی بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی امام موسیٰ ابن جعفر سے سوال کیا کہ رمی جمرات (شیطانوں کو پتھر مارنے) کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

آپؑ نے جواب دیا کہ ابلیس (لعین) اس جمرہ کے مقام پر کھڑا تھا اور حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کو دیکھ رہا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے پتھر کے ذریعے اُس کو اپنے سے دور کیا۔ اسی واسطے یہ عمل یعنی شیطان کو پتھر مارنا سنتِ ابراہیمیؑ ہے۔

مکہ معظّمہ میں مزارات

مقبرۃ الحجون یا قبرستانِ ابوطالبؑ (والدِ گرامی علی علیہ السلام)

یہ مقبرہ بنی ہاشم کے نام سے بھی مشہور ہے اور اس مقبرہ میں مندرجہ ذیل قبور ہیں:

☆ قبر شریف حضرتِ ابوطالبؑ

☆ قبر شریف عبدالمطلب

☆ قبر شریف عبدمناف

☆ قبر شریف حضرتِ خدیجہ، اُم المؤمنین علیہا السلام

مساجدِ معروفِ مکہ

مسجد الحرام

جس کی فضیلت وعظمت کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ اس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازیں دوسری مساجد میں پڑھنے کے برابر ہے۔

مسجدِ ابراہیم

یہ وہ مسجد ہے جو کوہِ ابوقبیس پر واقع ہے۔ یہ ابراہیم خلیل اللہ نہیں بلکہ ابراہیم قبیسی ہیں۔

مسجد الجن

یہ وہ مسجد ہے جو مقبرۂ معلاۃ کے در کے سامنے ہے۔ اس جگہ پر جنوں کے ایک گروہ نے رسولؐ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اسی مناسبت سے اس مسجد کو مسجد البیعت بھی کہتے ہیں۔

مساجدِ منیٰ

مسجدِ خیف بہت معروف مسجد ہے جس کے وسط میں ایک قبہ یا منارہ دیکھا جاسکتا ہے۔ اس قبہ میں ایک محراب ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ محرابِ رسولِ خدا ہے۔ حضورؐ نے حجۃ الوداع کے سفر کے دوران اپنا خیمہ وہاں نصب کیا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو، منیٰ میں نماز مسجدِ خیف میں ادا کرو کیونکہ ایک ہزار پیغمبروں نے وہاں نماز ادا کی ہے۔ اس مسجد میں سو رکعت نماز پڑھنے کا ثواب ستر سال کی عبادت کے برابر ہے۔

معنیٰ مسجدِ خیف

معاویہ بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: ''یابن رسولؐ اللہ! مسجدِ خیف کے معنیٰ کیا ہیں؟''

آپؑ نے فرمایا: ''یہ منیٰ کے سب سے اونچے مقام پر بنائی گئی ہے اور چونکہ جو جگہ سب سے اونچی ہو، اُسے خیف کہا جاتا ہے، اس لئے اس مقام پر مسجد کو مسجدِ خیف کہتے ہیں۔

مسجدِ البیعہ

یہ وہ مسجد ہے جو جمرہ کے قریب عقب میں واقع ہے۔ کہتے ہیں کہ اس مسجد میں انصار کی ایک جماعت نے عباس بن عبد المطلب کے سامنے رسولِ خدا کی بیعت کی تھی۔

مسجد النّحر

یہ مسجد جمرۂ اوّل اور جمرۂ دوم کے درمیان واقع ہے۔ رسولِ خدا نے وہاں نماز پڑھی تھی اور اپنی قربانی کو اس مسجد کے قریب ذبح کیا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قربانی کو یہاں ذبح کیا تھا۔ اس لحاظ

سے اسے مسجد الکبش بھی کہا جاتا ہے۔

مسجد الکوثر

یہ مسجد منیٰ کے وسط میں واقع ہے۔ اگر کوئی عرفات جارہا ہو تو یہ مسجد اُس کے دائیں جانب آتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ سورہٗ کوثر اسی مقام پر نازل ہوئی تھی۔

مسجدِ عرفہ

یہ مسجد وادئ نمرہ میں واقع ہے۔ بعض لوگ اسے مسجدِ ابراہیم خلیل اللہ بھی کہتے ہیں۔

مسجدِ تنعیم

یہ مسجد مکہ سے 9 کلومیٹر دور واقع ہے۔ اس کو مسجد عمرہ بھی کہتے ہیں کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ بی بی عائشہ عمرہ کیلئے وہاں مُحرِم ہوں۔

مسجدِ جعرانہ

یہ وہ مسجد ہے جہاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے سال عمرہ کیلئے مُحرِم ہوئے تھے۔

مکہ کے پہاڑ

کوہِ ابوقبیس

یہ پہاڑ کوہِ صفا سے متصل ہے۔ کہتے ہیں کہ چند پیغمبروں کی قبریں بھی اس پہاڑ پر واقع ہیں۔ اس کوہ پر جو دعا مانگی جاتی ہے، مستجاب ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ شق القمر (چاندکو دوٹکڑے کرنا) بھی اسی پہاڑ پر ہوا تھا۔

کوہِ حرا

یہ ایک لمبا پہاڑ ہے جو مکہ کے کافی محیط پر واقع ہے۔ غارِ حرا جہاں پیغمبرؐ خدا عبادت کیا کرتے تھے اور اپنے رب کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتے تھے، اس پہاڑ پر واقع ہے۔

کوہِ ثور

یہ شہر مکہ کے زیریں حصہ میں واقع ہے اور مکہ سے تقریباً دو فرسخ دور ہے۔ غارِ ثور جہاں پیغمبرؐ خدا نے حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ پناہ لی تھی، اسی پہاڑ میں ہے۔

شہر مدینہ

شہر مدینہ جدہ کے مشرق میں 425 کلومیٹر اور مکہ کے شمال میں 498 کلومیٹر (تقریباً 83 فرسخ) پر واقع ہے۔

ایک محقق مدنی نے شہر مدینہ کی عظمت وفضیلت کے بارے میں ایک کتاب تحریر کی ہے۔ اسی طرح ایک مکی محقق نے بھی مکہ کی عظمت وفضیلت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ لیکن ایک فضیلت ایسی ہے جو مدینہ کو تو حاصل ہے لیکن مکہ اُس فضیلت سے محروم ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر انسان کی خلقت اُس تربت اور خاک سے ہے جہاں مرنے کے بعد وہ دفن ہو جاتا ہے کیونکہ نفس شریف رسولؐ اللہ، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تربتِ مدینہ سے خلق کئے گئے تھے، لہٰذا یہ تربت تمام دنیا کی تربتوں سے فضیلت وشرافت میں برتر ہے۔

فضیلت وشرافتِ کربلا

تمام خوبی اور فضیلت جو مختلف کتابوں میں شہر مکہ اور مدینہ کیلئے بیان کی گئی ہے، صحیح ہے لیکن اس کے باوجود یہ فضیلت وشرافتِ کربلا کو نہیں پہنچ سکتی۔

سفینۃ البحار، جلد 2، صفحہ 475 پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ جب کعبہ کی زمین نے تمام دنیا کی باقی زمینوں پر فخر ومباہات کیا اور کہا کہ مجھ جیسا کون ہے جس کی پشت پر خانۂ خدا ہے۔

خدا نے اُس زمین کی طرف وحی بھیجی کہ یہ فخر نہ کر اور آرام کر، اگر کربلا اور وہ شہید

جو وہاں دفن ہیں، نہ ہوتے تو تجھے بھی خلق نہ کرتا۔ تیری تربت کی قدرومنزلت کربلا کی تربت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے دریا کی اور اُس سوئی کی جسے دریا میں گرادیا اور وہ جتنے پانی سے تر ہو جائے۔

مدینہ کی خصوصیات

سمہودی اپنی تاریخ، جلد اوّل، صفحہ 73 پر مدینہ کی 99 خصوصیات بیان کرتا ہے جن میں خاص خاص یہ ہیں:

- ☆ خلقتِ رسولؐ خدا تربتِ مقدسہ مدینہ سے ہے۔
- ☆ بہت سے شہدائے حق کی قبور جنہوں نے اپنی جان کی قربانیاں دیں، مدینہ میں ہیں، مثلاً شہدائے اُحد۔
- ☆ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کیلئے انصار اُس سرزمین سے چنے اور مہاجرین کو وہاں جگہ عطا فرمائی۔
- ☆ اللہ تعالیٰ نے مسجدِ قبا کو مدینہ میں قرار دیا جس میں ایک نماز کا پڑھنا ایک عمرہ بجالانے کے ثواب کے برابر ہے۔
- ☆ اُس شخص کی شفاعت ہوگی جو حضورؐ پاک کی زیارت کیلئے مدینہ آتا ہے۔
- ☆ یہ مدینہ کی خصوصیت ہے کہ بہترین مواقیتِ حج مسجدِ شجرہ ہے۔

مساجدِ مدینہ

مسجدِ رسولِ خدا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اس مسجد کے دس ستون تھے۔اس مسجد کی لمبائی شمال تا جنوب 35 میٹر تھی اور چوڑائی مشرق تا مغرب تقریباً 30 میٹر تھی۔ ہجرت کے ساتویں سال اس مسجد کی اس طرح توسیع کی گئی کہ یہ مربع کی صورت میں ہوگئی۔ رسولِ خدا کی زندگی کے بعد خلفاء اور حکمرانوں نے اس مسجد میں وقتاً فوقتاً ضرورت کے مطابق تبدیلیاں اور توسیع کی، یہاں تک کہ آج اس مسجد کا رقبہ تقریباً 16324 مربع میٹر تک پہنچ گیا ہے۔

مسجد النبی کے ستون

اس مسجد کے کافی ستون ہیں اور ان میں کئی ستونوں کے نام بھی ہیں جن کا مخصوص تاریخی پس منظر بھی ہے۔ان میں سے چند ایک ذیل میں لکھے جارہے ہیں:

☆ ستونِ توبہ

☆ ستونِ سریر

☆ ستونِ محرس

☆ ستونِ وفود

☆ ستونِ مہاجرین

☆ ستونِ مقامِ جبرئیل

☆ ستونِ تہجد۔

ستونِ توبہ

یہ وہ ستون ہے جہاں ابولبابہ نے اپنے آپ کو اس سے باندھ دیا تھا اور خدا کے حضور گڑ گڑا کر توبہ کی اور اُس کی توبہ قبول ہوگئی۔

ستونِ سریر

یہ وہ ستون ہے جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تخت کی جگہ پر بنایا گیا ہے۔

ستونِ محرس

یہ ستون اُس جگہ پر بنایا گیا ہے جہاں حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام پیغمبرؐ خدا کی حفاظت فرمایا کرتے تھے۔

ستونِ وفود

یہ ستون اُس جگہ بنایا گیا ہے جہاں دوسرے عرب ممالک کو بھیجے جانے والے وفود آ کر پیغمبرؐ خدا سے ملاقات کرتے تھے۔

ستونِ مہاجرین

یہ ستون منبر اور قبر مبارک کے درمیان واقع ہے کیونکہ مہاجرین وہاں اکٹھے ہو جاتے تھے اور ایک دوسرے کے اردگرد جمع ہوتے تھے۔ لہٰذا اس ستون کو ستونِ مہاجرین کہا جانے لگا اور یہ اسی نام سے مشہور ہوگیا۔

ستونِ مقام جبرئیلؑ

سمہودی شافعی کے قول کے مطابق یہاں جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر کا دروازہ تھا۔ یہاں سے امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی آمد و رفت ہوتی تھی۔

اس ستون کی فضیلت کے بارے میں ابی الحمراء کہتے ہیں کہ میں سات ماہ تک

پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں رہا۔ پیغمبرؐ خدا ہر روز صبح سویرے سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے گھر تشریف لاتے اور اپنے دونوں ہاتھ دروازے پر رکھ کر فرماتے:

"اَلسَّلَامُ عَلَیکُم اَھلَ البَیتِ الصَّلٰوۃُ الصَّلٰوۃُ اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذھِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ اَھلَ البَیتِ وَیُطَھِّرَکُم تَطھِیراً"۔

ستونِ تہجد

یہ ستون اُس جگہ بنایا گیا ہے جہاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ تہجد ادا فرماتے تھے۔

منبر رسولِؐ خدا اور ستونِ حنانہ

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے پہلے سال میں ایک روز تشریف فرما تھے اور وعظ ونصیحت فرما رہے تھے۔ لوگ جمع ہوتے گئے اور کافی تعداد ہوگئی۔ حضورؐ پاؤں پر کھڑے ہوگئے اور ستون کے ساتھ ٹیک لگالی۔ یہاں پر ہجرت کے پانچویں سال ایک منبر بنایا گیا جس کے تین قدم تھے۔ اس طرح پیغمبرؐ خدا نے وعظ ونصیحت کیلئے اُس ستون کی بجائے منبر کا انتخاب کیا۔

مشہور ہے کہ جب حضورؐ منبر پر تشریف لے گئے تو ستون سے گریہ وزاری کی آواز بلند ہوئی۔ پیغمبرؐ خدا نے اپنا ہاتھ ستون پر پھیرا اور حکم دیا کہ اس ستون کو منبر کے پاس دفن کر دیا جائے۔

محرابِ مسجدِ پیغمبرؐ

مسجدِ پیغمبرؐ کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اور بعد میں خلفاء کے

زمانہ میں کوئی محراب نہیں تھا۔ یہ محراب جو آجکل آپ مشاہدہ کررہے ہیں، یہ عمر بن عُبدالعزیز نے پیغمبرؐ اسلام کی جائے نماز پر بنوایا تھا۔

محلِ اصحاب صُفّہ

شمال کی جانب ایک بڑا مربع شکل رہائشی کمرہ موجود ہے جو مسجد کی زمین سے تقریباً بیس سنٹی میٹر اونچا ہے۔ یہ جگہ ''محلِ اصحابِ صُفّہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

اصحابِ صُفّہ مسلمانوں کا ایک گروہ جو ہجرت کرکے وہاں پہنچے تھے، کے پاس رہنے کیلئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ رسولِؐ خدا نے انہیں اس جگہ پر رہنے کی اجازت دی اور اُن سب کیلئے اپنے پاس سے یا صحابہ کی طرف سے غذا بھیجتے تھے۔ کبھی کبھی اُن کو اپنی غذا میں بھی شامل کرلیا کرتے تھے۔

اصحابِ صُفّہ نماز میں پہلی صف میں کھڑے ہوتے تھے اور میدانِ جنگ میں بھی اگلی صفوں میں ہوتے تھے۔ ابن عبید کہتے ہیں کہ میں نمازِ باجماعت میں حاضر تھا۔ خدا کی قسم! میں نے نمازیوں کو دیکھا کہ اُن میں سے بعض اتنے فقیر تھے اور اتنے ناتواں تھے کہ پوری نماز بھی کھڑے ہوکر نہیں پڑھ سکتے تھے کبھی کبھی اپنی ناتوانی کی وجہ سے گر پڑتے تھے۔

ایک اور شخص کہتا ہے کہ میں نے ستر (۷۰) مسلمانوں کو صفہ میں دیکھا کہ کسی ایک کے پاس بھی کامل لباس نہ تھا۔ بعض کے پاس ایک لمبی عبا اور بعض کے پاس لمبی قمیص ہی ہوتی تھی۔ اس حالت میں وہ اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ مشکلات میں وہ صبر وتحمل اور جنگ میں جہاد کرتے تھے۔ یہی اُن کا صبر وتحمل اور جہاد تھا کہ اُن کا نام آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا۔

گنبدِ مطہر روضۂ نبیؐ

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضہ مبارک کا گنبد سبز پتھروں سے خوبصورتی سے بنایا گیا تھا۔عرب میں اُس کو قبۃ الخضراء یعنی گنبدِ نورانی کہتے ہیں۔

مسجدِ پیغمبرؐ میں فضیلتِ نماز

مسجد الحرام کے بعد مسجدِ پیغمبرؐ دنیا کی تمام مساجد سے افضل ہے۔ مسجدِ پیغمبرؐ میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب دنیا کی عام مساجد میں دس ہزار نمازیں پڑھنے کے برابر ہے۔

مسجدِ قبا

مدینہ میں دوسری معروف مسجد، مسجدِ قبا ہے جو مدینہ سے چند کلومیٹر دور واقع ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جس کے بنانے میں خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصہ لیا تھا۔ اس مسجد کے بارے میں پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا تھا کہ اس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک عمرہ بجالانے کے برابر ہے۔

مسجدِ فضیخ

یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو مربع شکل میں ہے اور مسجدِ قبا کے مشرق میں واقع ہے۔ اس مسجد کا نام مسجدِ فضیخ اس واسطے رکھا گیا کہ کچھ افراد فضیخ نامی شراب وہاں لائے لیکن شراب کے حرام ہونے کی آیت آنے کے بعد اُسے وہاں سے دور کر دیا گیا۔ اسی وجہ سے اس کا نام مسجدِ فضیخ پڑ گیا۔

مسجدِ شمس

سمہودی اپنی تاریخ میں صاحبِ شفا سے نقل کرتے ہیں کہ مسجد شمس وہ مسجد ہے جو خیبر کے اطراف میں واقع ہے اور یہ وہ مقام ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی وجہ سے واپس پلٹا اور حضرت علیؑ نے وہاں نماز ادا فرمائی۔

مسجدِ فتح یا مسجدِ سبعہ

یہ مسجد مدینہ سے چند کلومیٹر غرب میں ایک پہاڑ کے اوپر واقع ہے۔ اس کو مسجدِ

احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ کچھ اور مسجدیں اس کے قبلہ کی طرف واقع ہیں جن میں ایک مسجد کو مسجدِ سلمان، دوسری کو مسجدِ علیؑ اور تیسری مسجد کو مسجدِ فاطمۃ الزہراؑ کہتے ہیں۔

مسجدِ قبلتین

یہ مسجد، مسجد فتح کے غرب میں واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رُخِ قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف جب تبدیل ہوا تو اُس وقت اسی مسجد میں نمازِ ظہر ادا کی جارہی تھی۔ اسی وجہ سے اس مسجد کو مسجدِ قبلتین کہا جاتا ہے یعنی وہ مسجد جس میں ایک ہی نماز دو قبلوں کی طرف رُخ کر کے پڑھی گئی۔

مسجد الاجابہ

یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو بقیع کے شمال میں واقع ہے۔ رسولِ خداؐ نے اس مسجد میں نماز پڑھی تھی اور یہاں آپ کی دعائیں منزلِ اجابت تک پہنچیں، اسی لئے اس کو مسجد الاجابہ کہا جاتا ہے۔

مسجد الشجرۃ

یہ مبارک مسجد مدینہ سے چھ کلومیٹر دور واقع ہے اور مواقیتِ حج ہے بلکہ تمام مواقیت سے افضل ہے۔ رسولِ خداؐ نے یہاں سے احرام باندھا تھا۔

دوسری مساجد بھی ہیں یعنی مسجدِ ظفر، مسجد غمامہ، مسجد فاطمہ سلام اللہ علیہا، جن کا ذکر اختصار کی وجہ سے یہاں نہیں کیا جارہا۔

مدینہ کے اطراف میں دوسری مساجد جن کے نام یہ ہیں، مسجد نفس ذکیہ، مسجد الابواء، مسجد جحفہ، مسجد غدیر خم، مسجد بدر، مسجد ابوذر، یہ مساجد حاجیوں کیلئے قابلِ دید ہیں۔

مدینہ میں حجاج کرام کے فرائض وآداب

حجاج کرام تمام اعمالِ حج بجالانے کے بعد پیغمبرؐ اسلام اور دیگر آئمہؑ بقیع کی زیارات کیلئے مدینہ تشریف لاتے ہیں۔اس کے علاوہ مدینہ میں مختلف آثارِ مذہبی کی زیارت کیلئے اوراپنی دعاؤں کی تکمیل اور مستجابی کیلئے بھی حاضری دیتے ہیں۔حقیقت میں حج نامکمل رہتا ہے۔اگر حجاج مدینہ منورہ نہ جائیں،اسی سلسلہ میں امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''تَمَامُ الحجّ لِقَاءُ الاِمَامِ''

یعنی ''تکمیلِ حج امام کی زیارت سے وابستہ ہے''۔

اسی سلسلہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''وَاِذاحَجَّ اَحدُکُم فَلْیَختِمْ بِزِیَارَتِنَا ذٰلِکَ مِنْ تَمَامِ الحجِّ''.

یعنی ''جب بھی تم میں سے کوئی حج بجالائے،پس وہ اپنے حج کو تکمیل دے ہماری زیارت سے کیونکہ حج ہماری زیارت سے ہی مکمل ہوگا''۔

ایک روایت میں رسولِ خداؐ فرماتے ہیں:

''مَنْ حَجَّ وَلَمْ یَزُرْنِی فَقَدْ جَفانِی''.

''اگر کوئی حج بجالائے اور میری زیارت نہ کرے تو اُس نے گویا مجھ پر ظلم کیا''۔

جنابِ امام حسین علیہ السلام نے اپنے نانا رسولِ خداؐ سے عرض کیا:

''یا رسولؐ اللہ! جو آپ کی زیارت کرے،اُس کیلئے کیا اجر ہے؟''

آپؐ نے فرمایا:

''بیٹا حسینؑ! اگر کوئی میری زیارت کرے یا تمہارے والد علی علیہ السلام کی یا

تمہارے بھائی حسنؑ کی یا تمہاری زندگی میں یا زندگی کے بعد تو اُس شخص کیلئے مجھ پر واجب ہے کہ میں قیامت کے روز اُس سے ملاقات کروں اور اگر کسی مشکل میں گرفتار ہو تو اُس کی مشکل کو آسان کر دوں"۔

ان روایات کی روشنی میں تمام حجاج جو مکہ سے مدینہ لوٹیں، کوشش کریں کہ مدینہ میں حرمِ پیغمبرؐ اسلام میں نماز اور زیارت بجالائیں۔ اس کے علاوہ جنت البقیع اور دیگر مساجد کی زیارت میں غفلت نہ کریں۔

حجِ مبرور و مقبول

حجِ مبرور کیلئے سب سے بڑی شرط جس کی طرف ہم اشارہ کر سکتے ہیں، وہ "حقوق العباد" یعنی انسانوں کے حقوق ہیں۔ اگر کوئی شخص حج کی نیت کرتا ہے لیکن اُس پر لوگوں کے حقوق ہیں یعنی اُس پر کسی کی کوئی رقم واجب الادا ہے یا کوئی شخص اُس سے ناراض ہے تو اُس شخص پر واجب ہے کہ حج پر جانے سے پہلے لوگوں کی رقوم کو واپس لوٹا دے اور جو شخص اُس سے ناراض ہو، اُس کو جا کر راضی کرے۔

اگر کوئی شخص اِن کاموں کو کرنے کے بغیر حج پر روانہ ہو گیا تو تلبیہ اور احرام کے وقت جب وہ لبیک اللّٰھم لبیک کہے گا تو اُس کے جواب میں اُس سے کہا جائے گا:

"لَا لَبَّیکَ وَلَا سَعدَیکَ"

یعنی "تیرا لبیک کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور تیری سعی بے معنی ہے"۔

اس کی تصدیق کیلئے ایک معروف شخص علی بن یقطین کا قصہ یہاں بیان کیا جاتا ہے تا کہ مطلب کی وضاحت ہو سکے۔

حج پر جانے سے پہلے لوگوں کو راضی کر

علی بن یقطین، امام موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام کے زمانہ میں آپؑ کے حُب داروں اور دوستوں میں سے تھا۔ اُس نے امامؑ کی طرف سے اشارہ ملنے پر ہارون رشید کی حکومت میں بطور وزیر کے کام شروع کر دیا۔ امامؑ نے اُسے مشروط اجازت دی تھی کہ وہ معاشرے کے محروموں اور بیکسوں کی مدد کرے گا اور شیعانِ امام موسیٰؑ کی مشکلات کو حل کرے گا۔ ایک روز امام موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام کا ایک حُب دار اور ماننے والا جس کا نام ابراہیم جمال تھا، کسی کام کی غرض سے علی بن یقطین سے ملنے کیلئے اُس کے پاس گیا۔

ظاہری طور پر علی بن یقطین ہارون رشید کا وزیر تھا اور ابراہیم جمال ایک شتربان تھا جس کا لباس بھی اتنا اچھا نہ تھا۔ جب یہ ملاقات کیلئے اُس کے پاس گیا تو اُس سے ملنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ یہ ناکام واپس لوٹ گیا۔

اسی سال کچھ عرصہ کے بعد حج کی نیت سے علی بن یقطین مکہ روانہ ہو گیا اور حج بجالانے کے بعد جب مدینہ پہنچا تو امام موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام کی زیارت کی غرض سے اُنؑ کے آستانہ پر پہنچا۔ لیکن امامؑ نے اُس سے ملنے سے اجتناب کیا۔ علی بن یقطین پریشان ہو گیا اور اس موقع کی تلاش میں رہا کہ امامؑ کس وقت باہر تشریف لائیں تو یہ آپؑ سے ملاقات کرے۔ ایک روز امامؑ گھر سے باہر کسی کام سے نکلے تو علی بن یقطین نے آپؑ سے ملاقات کی اور عرض کیا:

''یا ابن رسولؐ اللہ! میں آپؑ کی زیارت کی غرض سے حاضر ہوا تھا لیکن آپؑ نے شرفِ ملاقات نہ بخشا۔ میں نہیں جانتا کہ مجھ سے کیا خطا ہوگئی ہے؟''

امامؑ نے فرمایا: ''چونکہ تو نے ابراہیم جمال سے ملاقات نہ کی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تیرا حج قبول کیا ہے نہ تیری سعی، یہاں تک کہ تو ابراہیم جمال کو راضی کر لے''۔

علی بن یقطین نے عرض کیا: ''مولاً! میں ابراہیم جمال سے کیسے ملاقات کروں کیونکہ وہ کوفہ میں ہے اور میں مدینہ میں ہوں؟''

آپؑ نے فرمایا: ''جب رات ہو جائے تو تم تنہا بقیع میں جانا لیکن کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ وہاں تم ایک اونٹ کو تیار پاؤ گے۔ اُس اونٹ پر سوار ہو جانا، وہ تمہیں کوفہ پہنچا دے گا''۔

علی بن یقطین رات ہوتے ہی بقیع پہنچا۔ اُس نے ایک اونٹ دیکھا۔ اُس پر سوار ہو گیا۔ تھوڑے ہی وقت میں وہ ابراہیم جمال کے گھر پہنچ گیا۔ اُس نے اونٹ کو ایک طرف بٹھایا اور ابراہیم جمال کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابراہیم نے پوچھا کہ کون ہے۔ اس نے کہا کہ میں علی بن یقطین ہوں، دروازہ کھولیں۔

ابراہیم نے کہا کہ ایک وزیر کا ایک شتربان کے گھر پر کیا کام؟ علی بن یقطین نے منت کی اور دروازہ کھولنے پر اصرار کیا اور کہا کہ وہ تھوڑی دیر کیلئے باہر آئے۔ اُسے واسطہ دیا کہ اُسے گھر میں آنے کی اجازت دے۔

ابراہیم جمال نے اُسے اجازت دی۔ علی بن یقطین گھر میں داخل ہوا اور کہا کہ اے ابراہیم! میرے آقا و مولا امام موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ تیرا حج خدا کی بارگاہ میں اُس وقت تک مقبول نہیں جب تک ابراہیم تجھ سے راضی نہ ہو جائے۔ اس غرض سے میں مدینہ سے یہاں تیرے پاس آیا ہوں۔

ابراہیم نے کہا کہ خدا تجھ سے راضی ہو۔ لیکن علی بن یقطین کی اس سے تسلی نہ ہوئی۔ علی بن یقطین نے کہا کہ ایسے کرو کہ اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھو اور اُس پر اسے رگڑو۔ ابراہیم جمال نے اس چیز کو قبول نہ کیا۔ علی بن یقطین نے اُسے قسم دی کہ ایسا کرے۔ آخر کار زیادہ اصرار کرنے پر ابراہیم راضی ہو گیا اور اپنا پاؤں وزیر کے چہرے پر

رکھااور اُسے اس کے رخسار پر رگڑا۔اس وقت علی بن یقطین نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف کر کے کہا:

"اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ"

"میرے اللہ! تو گواہ رہنا"۔

ابراہیم مجھ سے راضی ہو گیا ہے۔اب یہ باہر آیا اور اونٹ پر دوبارہ سوار ہو گیا۔ اُس اونٹ نے اُسے مدینہ پہنچا دیا۔اونٹ کو امام موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام کے گھر کے باہر بٹھایا۔امامؑ نے علی بن یقطین کو اجازت دی اور ابراہیم کی خوشنودی کو قبول کیا۔

علی بن یقطین بھی امامؑ کی خوشنودی سے خوش ہو گیا۔

ایک اور واقعہ

گزشتہ زمانہ میں ایک اصفہانی سفر کا سامان لئے حج کی غرض سے مکہ پہنچا۔منیٰ میں اعمالِ حج میں مصروف تھا کہ رات کو اُس نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو فرشتے آسمان سے نیچے اُترے اور حاجیوں کے قریب رک گئے۔ایک ایک کی طرف اشارہ کرتے۔کسی کے بارے میں کہتے:

"ھٰذَا حَاجٌّ".

یعنی "اس کا حج مقبول ہے"۔

کسی کے بارے کہتے:

"ھٰذَا لَیْسَ بِحَاجٍ".

یعنی "اس کا حج مقبول نہیں اور یہ حاجی نہیں"۔

یہ فرشتے ایک ایک کر کے سب کی طرف اشارہ کر رہے تھے، یہاں تک کہ مجھ تک

پہنچے اور میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے:

''هَذَا لَيسَ بِحَاجٍ''.

یعنی ''یہ شخص حاجی نہیں''۔

یہ اصفہانی جب نیند سے بیدار ہوا تو بہت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ میرا کونسا ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے میرا حج مقبول نہیں ہوا۔ سوچنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ شاید اُس نے اپنے مال سے خمس اور زکوٰۃ ادا نہ کیا ہو۔ یہ سوچ کر اپنے بیٹے کے نام ایک خط لکھا اور تاکید کی کہ اُس کے تمام مال سے حساب کروا کر خمس اور زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ وہ اس سال مکہ ہی میں ٹھہرے گا۔

جب یہ خط اُس کے بیٹے کے پاس پہنچا تو اُس نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور باپ کے تمام اموال سے خمس و زکوٰۃ ادا کر دی۔

اگلے سال اس اصفہانی نے حج میں پھر شرکت کی اور منیٰ کی سرزمین میں پچھلے سال کی طرح اعمالِ حج بجالایا۔ رات کو خواب میں پھر دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اُترے ہیں اور کسی کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں:

''هَذَا حَاجٌ''.

یعنی ''اس کا حج مقبول ہے'' اور کسی کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں:

''هَذَا لَيسَ بِحَاجٍ''.

جب اصفہانی تک پہنچے تو کہنے لگے:

''هَذَا لَيسَ بِحَاجٍ''.

یعنی ''اس کا حج مقبول نہیں''۔

دوسری مرتبہ یہ بیچارہ اصفہانی بہت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ مجھ سے کونسی ایسی خطا ہوئی ہے کہ میرا حج بارگاہِ ایزدی میں قبول نہیں ہو رہا۔ کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ اصفہان میں اُس کا ایک غریب ہمسایہ تھا جس کا چھوٹا سا گھر ہے، جب میں نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر کو دو منزلہ یا تین منزلہ بناؤں تو یہ میرا ہمسایہ میرے پاس آیا اور التجا کی کہ میں اپنے گھر کو زیادہ اونچا نہ کروں، کہیں اُس کے چھوٹے سے گھر میں روشنی اور ہوا رُک نہ جائے اور اُس کا گھر تاریک ہو جائے۔ لیکن میں نے اُس کی درخواست پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنے گھر کو بلند کر دیا۔

یہ اصفہانی اپنے آپ سے کہنے لگا کہ شاید حج قبول نہ ہونے کی وجہ یہی ہو۔ اس اصفہانی نے اپنے گھر والوں کو پھر خط لکھا کہ میں اس سال بھی مکہ میں رہوں گا۔ آپ میرے فلاں ہمسایہ سے ملیں اور جس طرح بھی بن پڑے، اُسے راضی کرنے کی کوشش کریں۔ اگر راضی نہ ہو تو اُس کا گھر خرید لیں۔ اگر وہ اپنا گھر بھی نہ بیچے تو آخر کار اپنے گھر کی دوسری اور تیسری منزلوں کو گرا دینا، گھر کو اپنی اصلی حالت میں لے آنا تا کہ اُس کے چھوٹے سے گھر میں ہوا اور روشنی آسانی سے پہنچ سکے۔

اس اصفہانی کے گھر والوں نے سارا واقعہ اُس کے ہمسایہ کو بتایا لیکن ہمسایہ کسی صورت بھی راضی نہ ہوا۔ اصفہانی کے گھر والوں نے اُس ہمسایہ سے گھر خریدنے کی پیشکش بھی کی لیکن وہ ہمسایہ اس پر بھی راضی نہ ہوا۔ بالآخر ان کے پاس کوئی چارہ نہ رہا، سوائے اس کے کہ گھر کی دوسری اور تیسری منزل کو گرا دیا جائے۔ پس اُن کو گرا دیا گیا اور اُن کا ہمسایہ اُن سے راضی ہو گیا۔

اگلے سال حج کا وقت پھر آن پہنچا۔ وہ اصفہانی جب منیٰ میں پہنچا تو رات کو خواب میں دیکھتا ہے کہ اُسی طرح آسمان سے دو فرشتے نازل ہوئے اور کسی کو کہنے لگے:

"هَذا حَاجٌ".

یعنی "اس کا حج مقبول ہے" اور کسی کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں:

"هَذا لَيسَ بِحَاجٍ".

اس سال جب اس اصفہانی کی باری آئی تو تین بار کہا:

"هَذا حَاجٌ، هَذا حَاجٌ، هَذا حَاجٌ".

اُن کا اشارہ یہ تھا کہ اس کے تینوں حج مقبول ہو گئے۔

مؤمنین و مؤمناتِ محترم! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اگر انسان ایک مؤمن سے بے پروائی کرتا ہے یا اپنے ہمسایہ کے صحن میں کم روشنی اور کم ہوا کا باعث بنتا ہے تو خدا کے حضور اُس کے حج جیسے اعمال بھی قبول نہیں کئے جاتے تو پھر وہ انسان جو اپنے مؤمن بھائیوں کیلئے براہِ راست اذیت کا باعث بنتے ہیں، اُن کے اعمال کا کیا حشر ہوگا؟

مندرجہ بالا واقعات ہم سب کو اس چیز پر سوچنے کی دعوت دیتے ہیں کہ انسان حج پر جانے سے پہلے اپنے مالی معاملات جیسے خمس، زکوٰۃ کو پورا کردے اور اپنے ناراض دوستوں، بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب کو راضی کر لے۔

ایک اور عمل جو حج کے ردّ ہونے کا باعث بنتا ہے، وہ بخل ہے یعنی انسان وہاں پر بھی کنجوسی کرے جہاں خرچ کرنے کا حکم ہے۔ بخل بڑا گناہ تصور کیا جاتا ہے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بخیل شخص خدا اور رسولؐ اور عوام سے دور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔

پیغمبرؐ اسلام کے فرمان کے مطابق اگر بخیل شخص رکن اور مقامِ ابراہیمؑ کے درمیان دو ہزار سال تک بھی نماز ادا کرتا رہے اور بخیل رہتے ہوئے مر جائے تو جہنمی ہی ہوگا۔

بخیل کا حج قبول نہیں

ایک روز پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طوافِ کعبہ میں مشغول تھے۔ آپؐ نے دیکھا کہ ایک شخص خانۂ کعبہ کے غلاف پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہا ہے:

خدایا! تجھے اس گھر کا واسطہ، میرے گناہوں کو معاف فرمادے''۔

آپؐ نے پوچھا: ''تیرا گناہ کیا ہے؟''

اُس شخص نے کہا: ''میں جس قدر تشریح کروں، اُس سے زیادہ ہے''۔

آپؐ نے پوچھا: ''تیرا گناہ پہاڑ سے بھی بڑا ہے؟''

کہنے لگا: ''ہاں''۔

آپؐ نے پوچھا: ''بتا کہ تیرا گناہ بڑا ہے یا زمین؟''

کہنے لگا: ''میرا گناہ''۔

پھر آپؐ نے پوچھا: ''تیرا گناہ دنیا سے بھی بڑا ہے؟''

کہنے لگا: ''جی ہاں''۔

پھر آپؐ نے پوچھا: ''تیرا گناہ بڑا ہے یا آسمان؟''

اُس نے عرض کی: ''میرا گناہ''۔

آپؐ نے پوچھا: ''کیا تیرا گناہ عرشِ خدا سے بھی بڑا ہے؟''

اُس نے جواب دیا: ''جی ہاں''۔

آخر میں آپؐ نے فرمایا:

''ذَنبُکَ اَعظَمُ اَمِ اللّٰہ''.

''کیا تیرا گناہ بڑا ہے یا خدا؟''

اُس شخص نے کہا: ''خدا سب سے بڑا ہے''۔

آپؐ نے پوچھا: ''تیرا گناہ کیا ہے؟''

اُس نے عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! میں ایک امیر آدمی تھا۔ جب بھی کوئی مستحق میرے پاس مدد کیلئے آتا تو میں بہت ہی ناراض ہوتا جیسے کسی نے آگ میرے اوپر پھینک دی ہو''۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تو مجھ سے دور ہو جا، کہیں تیری آگ مجھ تک نہ پہنچے۔ مجھے اُس خدا کی قسم کہ جس نے مجھے ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا، اگر تو رکن اور مقامِ ابراہیمؑ کے درمیان دو ہزار سال تک نماز پڑھتا رہے اور اتنا روئے کہ تیرے آنسوؤں سے نہر جاری ہو جائے اور درختوں کو پانی مل جائے، اگر تو بخیل ہوتے ہوئے مرجائے تو اللہ تعالیٰ تجھے سر کے بل جہنم میں پھینک دے گا''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بخیل وہ نہیں ہے جو زکوٰۃِ واجب ادا کرتا ہے اور اپنے عزیز رشتہ داروں کی مدد کو پہنچتا ہے بلکہ بخیل تو وہ ہے جو واجب زکوٰۃ ادا نہ کرے، اپنے عزیزوں رشتہ داروں کی مدد نہ کرے اور باقی دنیاوی اُمور پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرے۔

بخیل پر جنت حرام ہے

حضرت علی علیہ السلام نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بخیل ظالم سے بہتر ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ غلط فہمی میں مبتلا ہو کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ظالم شخص توبہ کرلے اور جو ظلم کئے ہیں، اُن کے بدلہ معافی مانگ لے۔ لیکن جو شخص بخیل ہے اور زکوٰۃ نہیں دیتا، صدقہ نہیں دیتا، صلہ رحمی نہیں کرتا، مہمان نوازی نہیں کرتا، جہاں خرچ کرنا واجب ہے، خرچ نہیں کرتا، اُس پر جنت حرام ہے۔

فہرست کتب

ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

۞	تلاش حق	120
۞	ذکر حسینؑ	100
۞	برزخ چند قدم پر	100
۞	اسلامی معلومات	100
۞	محمدؐ تا محمدؐ	100
۞	محمدؐ تا علیؑ	100
۞	سورج بادلوں کی اوٹ میں	120
۞	شہید اسلام	100
۞	قیامِ عاشورہ	50
۞	قرآن اور اہل بیتؑ	100
۞	دینی معلومات	45
۞	نوجوان پوچھتے ہیں کہ شادی کس سے کریں؟	35
۞	ظالم حاکم اور صحابی امام	15
۞	توضیح عزا	200

❁	تفسیر سورہ فاتحہ	100
❁	مشعل ہدایت	100
❁	اسمِ اعظم	125
❁	سوگنامہ آل محمدؑ	225
❁	افکارِ شریعتی	225
❁	سیرت آل محمدؑ	125
❁	مناظرے	135
❁	آسان مسائل (چار جلد)	240
❁	تاریخ جنت البقیع	100
❁	عمدۃ المجالس	100
❁	حقوقِ زوجین	35
❁	ارشادات امیر المومنینؑ	20
❁	صدائے مظلوم	50
❁	مراسم عروسی و معجزات بتولؑ	35
❁	لڑکی سونا لڑکا چاندی	35
❁	اسلامی پہیلیاں	30
❁	فکر حسینؑ اور ہم	15
❁	پیامِ عاشورہ	40

35	معصومین کی کہانیاں	۞
35	ارشادات مصطفیٰؐ و مرتضیٰؑ	۞
10	آزادی مسلم	۞
55	فقہ اہل بیتؑ	۞
100	صحیفہ پنجتنؑ	۞
100	حرفِ احساس	۞
100	حسینؑ میرا	۞
150	جامِ غدیر	۞
100	زندہ تحریریں	۞
60	شاہکار رسالتؐ	۞
130	محشر خاموش	۞
200	اسلام اور کائنات	۞
120	غریب ربذہ	۞
125	فطرت	۞
50	جستجوئے حق	۞
250	خطبات محسن (۲ جلد)	۞
125	صدائے محسن	۞
100	افکارِ محسن	۞

❁	نسیم المجالس (۳ جلد)	375
❁	ریاض المجالس	125
❁	نصیر المجالس	125
❁	بہشت	250
❁	آفتاب ولایت	150
❁	تہذیب آل محمدؐ	150
❁	توضیح المسائل	150
❁	عصرِ ظہور	200
❁	جدید فقہی مسائل	100
❁	کربلا سے کربلا تک (۲ جلد)	150
❁	معجزۂ مباہلہ	60
❁	نصائح	135
❁	جنت	150
❁	اولی الامر کون؟	135
❁	گلزار خطابت	135
❁	معیار مودت	135
❁	مہدی حدیث کی روشنی میں	60
❁	بحر المصائب	165

250	ذکر المصائب	۞
165	احادیث قدسیہ	۞

اشاعتی عزائم

	نقوش محسن	۞
	کربلا میں اصحاب کا کردار	۞
	چودہ ستارے (جدید)	۞
	سردار کربلا	۞
	نہر المصائب (۵ جلد)	۞
	معالم المدرستین (۳ جلد)	۞
	علیؑ کے مشہور فیصلے	۞
	علیؑ کی مشہور جنگیں	۞
	بیت الحزن	۞
	سوال کیجیے جواب لیجیے	۞

خوشخبری

ہم نے مومنین کی سہولت کے لیے ادارہ کی کتب کی دستیابی کے لیے اردو بازار میں دکان کھول رکھی ہے۔ لہذا آپ ہم سے ہمارے ادارہ اور دوسرے اداروں کی کتب ارزاں قیمت پر حاصل کر سکتے ہیں۔

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین

الحمد مارکیٹ۔ فرسٹ فلور دکان نمبر 20 غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

ادارہ منہاج الصالحین لاہور